جون 2020، قیمت :- ₹10

www.urducouncil.nic.in

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اُردو دُنیا

نئی دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

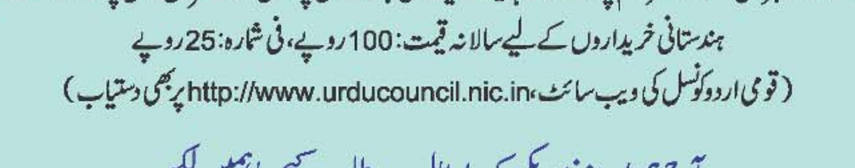

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com , sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد:8 شمارہ:06 جون 2020

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

مدیر منتظیم :اجمل سعید

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ ترقی انسانی وسائل۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی -110025
فون:49539000
شعبہ ادارت:49539009-11

ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10روپے، سالانہ/100روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اوراس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی -110066
فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز:110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھرگٹی، حیدرآباد-500002
فون:040-24415194

اس شمارے میں

مدیر کا خط	آپس کی باتیں		04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ		05
مضامین	اکبر الہ آبادی (دوسری قسط)	صغریٰ مہدی	06
	گلوبل وارمنگ اور ہمارا ماحول	انتخاب بن تنویر	11
	کورونا وائرس	نسیم سعید	13
نظمیں	رب کا شکر ادا کرتا ہوں	عبدالرحیم نشتر	16
	غزل	حشمت کمال پاشا	17
	چانداور اسکول	راحت مظاہری	17
	غزل	عطاء الرحمن طارق	18
	ABCDEFG	انیس کیفی	18
کہانیاں	مسجد کا قیدی	رشید احمد صدیقی	19
	جانباز لڑکی	انیس مرزا	24
	میرے آگے بین نہ بجائیں	شمیم احمد صدیقی	27
	میری ہمدرد	سید اسد تابش	32
	اپنی مدد آپ	عبدالناصر	34
نظمیں	کورونا	اشتیاق احمد راشد	39
	ننھی خواہش	عطیہ رئیس	40
	لاتے پانی	ضیا جعفری	40
کہانیاں	عزم	صفیہ بانوا ے شیخ	41
	بہادری کی ایک مثال	طارق سہراب غازی پوری	44
اردو کا جادو	اردو زبان کا جادو	ادارہ	46
قسط وار ناول	اَدِتّیہ سمندری لڑکا	انیتا سرن	47
کہکشاں	دل کی باتیں	الفیہ شیخ انیس عظمیٰ سکندر خان	55
	وعدہ خلافی کا ایک مشہور واقعہ	محمد عماد حسن بن امتیاز	56
	ننھی بچی کی دریادلی	حسان احمد ازہری	56
	یہ مزے مزے کی حکایتیں		58
ننھے فنکار	سیکھ	جویریہ فردوس اشفاق احمد	59
	کسی کی بدصورتی نفرت کی وجہ نہ...	فرحہ ناز نور احمد	60
	بچوں کی پینٹنگ		61

آپس کی باتیں

پیارے بچو! آپ نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کا نام سنا ہوگا۔ ہندوستان کے مشہور بزرگ اور اللہ والے تھے۔ وہ محبوب الٰہی کے لقب سے بھی مشہور ہیں اور ان کا مزار دہلی کے جس علاقے میں واقع ہے اس پورے علاقے کو بستی حضرت نظام الدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کی سوانح میں لکھا ہے کہ ان کے والد کا جب انتقال ہوا تو شیخ نظام الدین اولیا کی عمر صرف پانچ برس تھی۔ والد کے انتقال کے بعد گھر کے حالات خراب ہوگئے، حالانکہ ان کی ننھیال کے لوگ مالدار تھے مگر ان کی والدہ نے اپنے والدین پر بوجھ بننے کے بجائے خود کام کر کے اپنے بچے کی پرورش کرنے کی ٹھانی، وہ رات میں سوت کاتا کرتی تھیں اور دن میں ملازمہ کے ہاتھوں اسے بیچ کر جو پیسے ہاتھ آتے اس سے کھانے پینے کی چیزیں لی جاتیں اور اسی طرح گھر چلتا تھا۔ مگر سخت محنت کے باوجود ہفتے میں کم سے کم ایک بار فاقے کی نوبت ضرور آجاتی تھی۔ خواجہ صاحب تعلیم حاصل کرنے کے لیے چپ چاپ مدرسہ جاتے اور چھٹی کے بعد گھر واپس آجاتے، مدرسے میں ان کے ساتھی کھیل کود میں شرکت کے لیے کہتے تو بھی ان کے ساتھ کھیل میں شریک نہ ہوتے، اپنی پڑھائی پوری کر کے سیدھے گھر آتے، انھی دنوں کا ایک واقعہ ہے کہ جب وہ مدرسہ سے لوٹے تو چہرے پر تھکان کے آثار تھے اور انھیں سخت بھوک لگی ہوئی تھی، مگر اتفاق سے اس دن گھر میں کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ انھوں نے جب والدہ سے کھانا طلب کیا تو ان کی والدہ نے کہا کہ ''بیٹا! آج ہم لوگ اللہ کے مہمان ہیں۔'' وہ یہ سن کر خوش ہوگئے اور پھر پورے دن کھانا طلب نہیں کیا، ایسا لگا کہ گویا واقعی ان کی مہمانی ہوئی ہے اور وہ پیٹ بھر کھا چکے ہیں۔ پھر جب اگلے دن کھانے کا انتظام ہوا اور ان کی والدہ نے ان کے سامنے کھانا پیش کیا تو وہ کھانے کے ساتھ ہی یہ بھی دریافت کرنے لگے کہ ''امی! ہم پھر کب اللہ کے مہمان بنیں گے؟'' تو ان کی والدہ نے جواب دیا کہ ''بیٹا! یہ تو اللہ کی مرضی پر منحصر ہے، وہ جب چاہے ہمیں اپنا مہمان بنالے۔'' اور یہ سن کر حضرت نظام الدین اولیا یہ دعا کرنے لگے کہ اے اللہ! تو ہمیں روزانہ اپنا مہمان بنا۔ پھر ماں بیٹے کا یہ معمول ہوگیا کہ جب بھی گھر میں فاقہ ہوتا تو وہ خواجہ صاحب سے کہہ دیتیں کہ آج ہم لوگ اللہ کے مہمان ہیں اور خواجہ صاحب خوشی خوشی پورا دن بغیر کھائے پیے گزار دیتے۔

عزیز بچو! اس واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی ہمیں صبر سے کام لینا چاہیے اور اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور یہ بات اپنے ذہن میں بٹھا لینی چاہیے کہ رزق دینے والی ذات ایک ہی ہے جس نے اس دنیا اور ہم سب کو بنایا ہے۔

بچو! بزرگانِ دین کی زندگی ہمارے لیے مشعل راہ ہے، ہمیں اپنے بزرگوں کے بچپن کے حالات سے سبق لینا چاہیے۔ اسی طرح ہمارے اور بہت سارے بزرگانِ دین ہیں جن کا بچپن ہمارے لیے سبق آموز ہے!

آپ کا

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' بچوں اور بڑوں میں یکساں مقبول ہے۔ بچوں میں اس کی مقبولیت کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب میں اپنے گاؤں اعظم گڑھ گئی۔ دیکھا کہ بچے ایک ایک روپیہ جوڑتے ہیں اور آنے والے نئے شمارے کا انتظار کرتے ہیں۔ رسالہ جیسے ہی دکان پر پہنچتا ہے چھٹی کے بعد بچے سیدھے دوکان پر جاتے ہیں اور رسالہ خرید کر اپنے گھر پہنچتے ہیں۔ ان کے ذوق وشوق کا یہ عالم ہے کہ کھانے سے زیادہ رسالے پر دھیان لگاتے ہیں۔

اوروں کا کیا حال ہے اور جانیں مجھے خود 'بچوں کی دنیا' نہایت عزیز ہے اسی لیے میں خود اس کی طرف راغب ہوئی۔ میرے بچے خود بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ میں خود وقتاً فوقتاً اس کے لیے اپنی استعداد کے مطابق کچھ نہ کچھ تحریر کرتی رہتی ہوں۔ ابھی قریبی شمارے میں میری بیٹی سارا خان (ملی ماڈل پبلک اسکول، نئی دہلی) کی طالبہ ہے اس کی بھی ایک پینٹنگ شائع ہوئی ہے۔ وہ بہت زیادہ خوش ہے۔ مجھے بھی بہت خوشی ہوئی۔ سارا خان کی پینٹنگ دیکھ کر میرے دو چھوٹے بچے قندیل خان اور عبداللہ بھی روزانہ شوقیہ پینٹنگ بناتے رہتے ہیں۔ اس سے لگتا ہے کہ ذرا سا مہمیز کرنے پر بچے اردو زبان کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ یہی میلان ان کے اندر اردو لکھنے پڑھنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے جو آئندہ اردو کی ترویج واشاعت کے لیے راستہ ہموار کرے گا۔ میں اردو قارئین سے گذارش کرتی ہوں کہ آپ بچوں کو کہیں بھی کچھ بھی پڑھائیے لیکن بچوں کی دنیا رسالہ اپنے گھروں میں ضرور رکھیے۔ اس کی تحریریں بچوں کو سنائیے، آہستہ آہستہ وہ خود بہ خود اردو کی طرف مائل ہوں گے جو اردو زبان کی ترقی، اردو کی تہذیب وثقافت کے لیے نیک فال ہوگا۔ 'بچوں کی دنیا' کے مشمولات ایسے ہوتے ہیں جو بڑے بھی پسند کرتے ہیں۔ اس کی تحریریں سبق آموز ہوتی ہیں۔ رسالہ معیاری ہونے کے باوجود نہایت کم قیمت پر دستیاب ہوتا ہے۔ یہ اردو زبان کی ترویج واشاعت میں حکومت کی ہر دلعزیز پالیسی ہی ہے جس سے ایک بڑا طبقہ مستفید ہو رہا ہے۔ یہ ہمارے ملک کا جمہوری ڈھانچہ ہے جس نے ہر امیر غریب طبقے کو سہولت فراہم کی ہے۔

موجودہ وقت لاک ڈاؤن کے پیش نظر دنیا کے لیے نہایت ہی پریشان کن ہے، ایسے وقت میں بچوں کو گھروں میں رکھنا بڑا مشکل کام ہے لیکن رسالہ 'بچوں کی دنیا' کے نئے پرانے شمارے ساتھ دے رہے ہیں اور بچے انھیں کو بھی دیکھ رہے ہیں جو اس برے حالات میں بھی تھوڑی دیر کے لیے باعث سکون ثابت ہے۔

فردوس بانو فلاحی، M-109، فرسٹ فلور بیک سائڈ، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی

'بچوں کی دنیا' مارچ 2020 کا شمارہ پڑھا۔ کہانی 'چار سال کا بوڑھا' کافی سبق آموز ہے اور بہت سی دانائی کی باتیں بھی سیکھنے کو ملیں۔ ہر ماہ کے اقوال مجھے کافی پسند ہیں۔ ان اقوال کے پڑھنے سے مجھ میں کافی اچھی عادتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ مجھے ہر ماہ اس رسالے کا بے صبری سے انتظار رہتا ہے۔ ایک گزارش یہ کہ اس رسالے میں اشعار بھی شائع کیے جائیں تو طلبہ میں شاعری کا ذوق پیدا ہوگا۔

اطیبہ ناز شیخ جنید، درجہ نہم، کے کے اردو گرلز ہائی اسکول، جلگاؤں، مہاراشٹر

صغریٰ مہدی

مضمون

دوسری قسط

اکبر الہ آبادی

اکبر اور گاندھی جی

آزادی کی تحریک میں جب گاندھی جی شریک ہوئے تو اس کا رخ ہی بدل گیا۔ گاندھی جی نے انگریزوں سے بے ہتھیاروں کے لڑائی لڑنے کی ٹھانی اور قتل و غارت وغیرہ کی شدید مخالفت کی۔ شروع میں یہ بات لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی، مگر رفتہ رفتہ زیادہ تر لوگ گاندھی جی کے ساتھ ہوگئے۔ گاندھی جی نے عدم تعاون اور سودیشی کی تحریکیں چلائیں۔ یہ زمانہ اکبر کی زندگی کا آخری زمانہ تھا۔ وہ بہت بوڑھے اور کمزور ہو چکے تھے۔ اکثر بیمار بھی رہتے تھے، مگر انگریزوں کے خلاف ہندوستانی اب اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ان کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اس بات سے اکبر بہت خوش تھے۔ انھوں نے اس زمانے کی سیاست کے بارے میں گاندھی جی کے بارے میں بہت سے اشعار کہے ہیں، اتنے کہ ان کو ایک کتابی صورت میں ان کے انتقال کے بعد شائع کیا گیا اور اس مجموعے کا نام 'گاندھی نامہ' رکھا گیا۔ یہ نام خود اکبر نے تجویز کیا تھا۔ گاندھی جی کے بارے میں ان کا یہ شعر بہت مشہور ہے۔

انقلاب آیا، نئی دنیا، نیا ہنگامہ ہے
شاہنامہ ہو چکا، اب دورِ گاندھی نامہ ہے

اس شعر سے اُس خوشی کا اظہار ہوتا ہے جو اکبر گاندھی جی کے سیاست میں آنے اور انگریزوں سے ٹکر لینے کی تھی۔ ایک جگہ انھوں نے کہا ہے۔

آگے تمھارے رنگ کسی کا جما نہیں
سج ہو تمھاری اے میرے گاندھی مہاتما

1 مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی جو رامپور کے رہنے والے تھے، اس زمانے میں گاندھی جی کے ساتھ کانگریس میں تھے۔

یا

بھائی گاندھی کا نہایت ہی مقدس کام ہے
رام پوری[1] ساتھ ہیں اور رام ہی کا نام ہے

گاندھی تو ہمارا بھولا ہے اور شیخ نے چولا بدلا ہے
دیکھو تو خدا کیا کرتا ہے، صاحب نے تو دفتر کھولا ہے

گاندھی کی تحریک عدم تعاون پر بھی اکبر نے بہت سے اشعار کہے ہیں۔ کہیں مزاحیہ انداز میں، کہیں سنجیدہ انداز میں۔ گاندھی جی کی اس بات کو جو عدم تعاون کی تحریک کی جان ہے کہ آزادی بغیر خون بہائے، بغیر ظلم و تشدد کے لینی ہے۔ اکبر نے اپنے ایک شعر میں اس طرح بیان کیا ہے۔

نہ صاحب کو مارو، نہ صاحب سے بھاگو
مچاتے رہو غُل، پٹو اور مانگو

یا

لشکرِ گاندھی کو ہتھیاروں کی کچھ حاجت نہیں
ہاں مگر بے انتہا صبر و قناعت چاہیے

اُدھر بپھرے ہوئے صاحب ہیں اور زورِ ہوائی ہے
اِدھر روٹھے ہوئے گاندھی ہیں شکوہ ہے ڈھٹائی ہے

گورنمنٹیوں میں بڑی عقل ہے
مگر ان میں ایکا نہیں ہے نہ جوش
جو ہیں گاندھوی وہ ہیں اکثر اُجڈ
مگر اک اُمنگ ان میں ہے اور جوش

سرِ گاندھی کو اُڑانے سے گورنمنٹ ڈری
شور ہر سمت سے اٹھے گا کہ آندھی آندھی

اکبر نے گاندھی جی کی تحریک کے بارے میں تعریفی اشعار کہے ہیں۔ ان اشعار میں اپنے بوڑھے اور کمزور ہونے کی وجہ سے ان کی تحریک میں حصہ نہ لینے کی معذرت بھی کی ہے۔

تجربہ ترک تعاون کا کریں یہ نونہال
گور میں جو پاؤں لٹکائے ہوئے ہیں ان کو کیا

اکبر یہ سمجھتے تھے کہ ہم کو آزادی اس وقت مل سکتی ہے اور گاندھی جی کی یہ تحریکیں اسی وقت کامیاب ہوسکتی ہیں جب ہندوستان کے لوگ اپنے آپس کے اختلاف کو ختم کر دیں اور مل کر اس کی جدوجہد کریں کیونکہ انگریزوں کی طرف سے ہندوستان کی دو بڑی قوموں یعنی ہندو اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر الگ الگ کرنے کی کوشش جاری تھی۔ اس لیے اکبر کہتے ہیں۔

حالات مختلف ہیں ذرا سوچ لو یہ بات
دشمن تو چاہتے ہیں کہ آپس میں لڑ مرو

اسی لیے وہ ہندوستانیوں کو ''میں، میں'' کرنے کی بجائے ہم بننے کی ہدایت دیتے ہیں۔

تفرقوں کے یہ جو طوفاں ہیں بپا کچھ کم تو ہوں
ہم کو کرنا چاہیے سب کچھ مگر 'ہم' ہم تو ہوں

اسی کے ساتھ اکبر اس کا احساس بھی دلاتے ہیں کہ ذلت کی غلامی زندگی کو کسی طرح قبول نہیں کرنا چاہیے۔

حضور عرض کروں میں جو ناگوار نہ ہو
وہ یہ کہ موت ہی بہتر ہے جب وقار نہ ہو

اکبر کا آخری زمانہ اور انتقال

اکبر کی چہیتی بیوی فاطمہ صغرا کا انتقال 1910 میں ہوگیا۔ اکبر اس کے بعد نو دس برس زندہ رہے، مگر یہ زمانہ بہت تکلیف کا گزرا۔ ان کے بیٹے عشرت حسین تو اپنی ملازمت کے سلسلے میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ الہ آباد سے باہر رہتے تھے۔ بس اکبر تھے اور ان کے چھوٹے بیٹے ہاشم۔ وہ بہت چھوٹے تھے۔ ان کی دیکھ بھال بھی کرنی پڑتی تھی۔ اکبر نے اپنی حالت کو اس شعر میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

اب تک ہے انھیں حالتِ سابق کا تصور
یاروں نے مرا خانۂ ویراں نہیں دیکھا

اسی زمانے میں انھوں نے یہ شعر بھی کہا تھا۔

مایوس ہوں باغِ عالم میں، دلی ہے نہ اب کلکتہ ہے
عشرت کے لیے کافی ہے دعا، ہاشم کا خیال البتہ ہے

مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ چار پانچ سال بعد ہاشم بھی خدا کو پیارے ہوگئے اور اکبر بالکل تنہا رہ گئے۔ اب ان کی عمر ستر برس کے لگ بھگ تھی۔ صحت بہت کمزور ہوگئی تھی اور غموں نے انھیں اور بھی کمزور اور ناتواں کر دیا تھا۔ لوگ اکبر سے ملنے اب بھی آتے تھے مگر ان میں ایسے لوگ کم رہ گئے تھے جو اکبر کے دوست اور ہم خیال تھے۔ جو آتے بس دل بہلانے اکبر کے پاس آتے۔ جب اکبر کو غمگین اور افسردہ دیکھتے تو جلدی ہی چلے جاتے۔ تھوڑے تھوڑے دنوں کو عشرت کے پاس چلے جاتے۔ وہاں بھی دل نہ لگتا اور واپس آجاتے۔ کبھی کبھی اکبر کو یہ خیال بھی ستاتا کہ انھوں نے اپنی پہلی بیوی اور بچوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا ہے۔ اس سے وہ اور افسردہ ہو جاتے اور خدا سے دعا مانگتے، خدا ان کو جلد اب اس دنیا سے اٹھا لے۔

1918 میں وبائی انفلوئنزا پھیلا، جو بہت خطرناک تھا۔ اکثر لوگ اس میں مبتلا ہو کر مر جاتے تھے۔ اکبر کو بھی بخار آیا مگر وہ ٹھیک ہوگئے تو انھوں نے یہ شعر کہا۔

کمزور ہے میری صحت بھی کمزور میری بیماری بھی
اچھا جو رہا کچھ کر نہ سکا، بیمار پڑا تو مر نہ سکا

وہ بہت کمزور ہوگئے تھے، کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا، مگر دماغ آخری وقت تک کام کرتا رہا۔ بڑھاپے میں تنہائی کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ یہ احساس اکبر کو بھی تھا۔ زمانہ بدل رہا ہے اس کے طور طریقے بدل رہے ہیں۔ ایک تہذیب ختم ہو رہی ہے۔ ایک نسل جا رہی ہے، دوسری نسل اس کی جگہ لے رہی ہے۔ یہ تبدیلیاں لازمی ہیں۔ انھیں ہونا چاہیے۔ یہ سمجھتے ہوئے بھی ان تبدیلیوں کو جن بوڑھے لوگوں کو دیکھنا ہوتا ہے ان کو اس کا رنج ہونا لازمی ہے۔ اس دکھ کا اظہار اکبر کے ان اشعار میں ملتا ہے۔

یہ موجودہ طریقے راہیِ ملکِ عدم ہوں گے
نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہوں گے
بدل جائے گا اندازِ طبائع دور گردوں سے
نئی صورت کی خوشیاں اور نئے سامانِ غم ہوں گے
کسی کو اس تغیر کا نہ حس ہوگا نہ غم ہوگا
ہوئے جس ساز سے پیدا اسی کے زیر و بم ہوں گے
نہ خاتونوں میں رہ جائے گی یہ پردے کی پابندی
نہ گھونگھٹ اس طرح سے حاجب روئے صنم ہوں گے

پھر وہ یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دیتے ہیں ۔

تمھیں اس انقلابِ دہر کا کیا غم ہے اے اکبر
بہت نزدیک ہیں وہ دن کہ تم ہو گے نہ ہم ہوں گے

اسی لیے اکبر نے اس زمانے میں جو اشعار کہے ان سے افسردگی کا اظہار ہوتا ہے۔

خوش دلی سے اب تعلق مجھ سے ہے ٹوٹا ہوا
عمر بھی گزری ہوئی ہے دل بھی ہے ٹوٹا ہوا

اپنے غم خانے کا دروازہ کرو بند اکبر
اب نہیں کوئی سوا موت کے آنے والا

آخر کو اکبر کی دعا خدا نے سن لی۔ 9 ستمبر جمعہ کے دن 1921 میں مختصر سی بیماری کے بعد اکبر خدا کو پیارے ہوگئے۔ مرنے سے پہلے بے ہوشی کے عالم میں بھی وہ نماز اور قرآن شریف پڑھنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان کے انتقال کے وقت ان کے عزیز دوست خواجہ حسن نظامی ان کے پاس ہی تھے۔ ان کے انتقال کی خبر سن کر لوگ جمع ہونے لگے۔ حالانکہ بارش بہت تیز ہو رہی تھی، مگر اکبر کے جنازے میں بہت سے لوگ شریک تھے۔ دوسرے دن اخباروں میں اکبر کے انتقال کی خبر بجلی کی طرح پھیل گئی اور ان کے بیٹے کے پاس لوگ آنے لگے۔ خطوں اور تاروں کا تانتا بندھ گیا۔ خط بھیجنے والوں میں سرکاری حکام جن میں ہندوستانی بھی تھے اور انگریز بھی۔ سیاسی لیڈر، ادیب اور شاعر بھی تھے۔

اس زمانے کے مشہور رسالے 'زمانہ' کے ایڈیٹر منشی دیانرائن نگم نے عشرت حسین کو لکھا:

''جناب اکبر کی وفات سے آپ کے سر سے ایک شفیق باپ کا سایہ نہیں اٹھا بلکہ اردو شاعری کا چراغ گل ہوگیا۔ جو ترقی ان کے طرز کو ان کے دم سے حاصل ہوئی اس کی مثال اردو شاعری کے کسی دورِ گذشتہ میں نہیں ملتی ہے۔ یہ طرز مرحوم ہی کے ساتھ اردو شاعری میں ختم ہوگیا۔''

اس وقت کی مشہور ہستی سر جگدیش پرشاد نے لکھا:

''میں بلا خوفِ تردید کہہ سکتا ہوں کہ ملک سے ایک لاثانی بزرگ اٹھ گیا۔ مرحوم کا کلام، مرحوم کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھے گا۔''

مولانا عبدالماجد دریابادی نے لکھا:

''حضرت اکبر کی رحلت نہیں ہوئی اردو لٹریچر کی دولت اٹھ گئی۔''

اور سب سے اچھا خط ڈاکٹر اقبال نے لکھا تھا:

''ہندوستان بالخصوص مسلمانوں میں مرحوم کی شخصیت قریباہر حیثیت سے بے نظیر تھی۔ مجھے یقین ہے کہ ایشیا میں کسی قوم کے ادبیات کو اکبر نصیب نہیں ہوا۔ فطرت ایسی ہستیاں پیدا کرنے میں بہت بخیل ہے۔ زمانہ سیکڑوں سال گردش کرتا ہے جب آکے ایک اکبرا سے ہاتھ آتا ہے۔ کاش اس انسان کا فیض اس بدقسمت ملک اور اس کی بدقسمت قوم کے لیے کچھ اور عرصہ جاری رہتا۔''

ان خطوط سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اکبر اور ان کی شاعری کی کیا اہمیت ہے۔ جو اس دنیا میں ہے اسے جانا ہے، مگر وہ لوگ جو اس میں آکر خدا کے بندوں کے لیے کچھ کر جاتے ہیں، اس دنیا کو خوبصورت اور پُرامن بنانے کی کوشش کرتے ہیں، جن کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں اچھی اچھی باتوں کو پھیلائیں، سچ کا ساتھ دیں، ظلم و ناانصافی سے لڑیں۔ یہ لڑائی وہ کبھی تلوار سے لڑتے ہیں، کبھی اپنے قلم سے۔ اکبر بھی ان لوگوں میں سے تھے جو اس دنیا سے اٹھے تو کچھ کر کے اٹھے۔ اس لیے ان ہی کا یہ شعر ان پر پورا اترتا ہے۔

اکبر کے جو مرجانے کی خبر ساقی نے سنی تو خوب کہا
مرنا تو ضروری تھا ہی اسے رندوں کے لیے کچھ کر بھی گیا

■

ماٰخذ: اکبرالہ آبادی، **مصنف:** صغریٰ مہدی، **تیسری طباعت:** 2011، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا رکی سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر............................ بتاریخ..............................

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/100 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: SYNB0009009

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون:011-26109746 فیکس:011-26108159, E-mail.:sales@ncpul.in

دستخط

انتخاب بن تنویر

گلوبل وارمنگ اور ہمارا ماحول

زمین کا درجہ حرارت لگاتار بڑھ رہا ہے۔ اس سے زمین پر کیا برے اثرات پڑ رہے ہیں، اسے روکنے کے لیے کیا کرنا ہوگا؟ آیئے جانیں!

کیا ہے گلوبل وارمنگ؟

زمین کے ماحول کے درجہ حرارت میں لگاتار اضافہ گلوبل وارمنگ ہے۔ ہماری زمین سورج کی شعاعوں سے گرمی حاصل کرتی ہے۔ یہ شعاعیں کرۂ ہوا (Atmosphare) سے گزرتی ہوئی زمین کی سطح سے ٹکراتی ہیں اور پھر وہیں سے منعکس (Reflect) ہوکر واپس لوٹ جاتی ہیں۔

کرۂ ہوا کئی گیسوں سے مل کر بنا ہے، جن میں کچھ گرین ہاؤس گیسیں بھی شامل ہیں۔ جیسے پانی کی بھاپ (H2O)، کاربن ڈائی آکسائیڈ (CO2)، میتھین (CH4)، نائٹرس آکسائڈ (N2O)، اوزون (O3) اور کلورو فلورو کاربن (CFCs)۔ ان میں سے زیادہ تر زمین کے اوپر ایک قدرتی پرت (Layer) بنا لیتی ہیں۔ یہ پرت لوٹنے والی شعاعوں (کرنوں) کے ایک حصے کو روک لیتی ہیں اور زمین کے ماحول کو گرم رکھتی ہیں۔

وجہ؟

زمین کی آب و ہوا باہری دباؤ (Pressure) کی وجہ سے بدلتی رہتی ہے، جس میں اس کے اپنے مدار (Orbit) میں ہونے والی تبدیلی بھی شامل ہے۔ اس کے تحت شمسی تبدیلی، آتش فشاں کا بننا، زمین کے کرۂ ہوا میں تبدیلی وغیرہ ہوتی ہیں، جس کی وجہ سے گرین ہاؤس گیسوں میں اضافہ ہوا ہے، جو زمین کے درجہ حرارت کے اضافے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔

حفاظت؟

اس مسئلے سے بچنے کے لیے بڑی تعداد میں درخت لگائے جانے چاہئیں، جس سے ماحول میں موجود کاربن ڈائی آکسائڈ کو وہ جذب کر لیں اور آکسیجن کی مقدار بڑھے۔ درختوں کی کٹائی روک کر جنگلوں کو بچانے پر زور دینا ہوگا۔ شمسی توانائی (Solar Energy) کی تدبیروں پر بھی دھیان دینا ہوگا۔

فروری 2007 میں انٹرنیشنل پینل آن کلائمیٹ چینج (IPCC) کی رپورٹ کے بعد سے مرکزی حکومت نے آب وہوا کی تبدیلی کے خطروں سے نمٹنے کی کوششیں تیز کردی ہیں۔

آپ کیا کریں؟

آب وہوا کی حفاظت کے لیے آپ بھی کچھ ذمہ داریاں نبھا سکتے ہیں۔ جیسے:

ماحول کی آلودگی کو روکنا ہوگا: پیدل چلیں یا سائیکل کا استعمال کریں۔ اس سے ایندھن کی بچت تو ہوگی ہی، ماحول کی آلودگی بھی کچھ حد تک کم ہوگی۔

کاغذ کی بربادی روکیں: کاغذ کے لیے ہم درخت کاٹتے ہیں۔ اگر آپ کاغذ برباد کریں گے تو اتنے ہی زیادہ درخت کو کاٹنے کی ضرورت پڑے گی۔ اس لیے کاغذ کے لیے ہمیں درختوں کو بچانا ہوگا۔

فضول میں پانی خرچ نہ کریں: نہاتے وقت اور برش کرتے وقت نل بند کر کے رکھیں۔ ساتھ ہی اگر کہیں آپ کو پانی بیکار بہتا نظر آئے تو فوراً نل بند کردیں۔

زیادہ سے زیادہ پودے لگائیں: ہو سکے تو گھر کے آنگن میں یا اسکول میں باغیچہ لگائیں اور اس کے لیے کھاد (Compost) بنائیں۔ اس سے آپ قدرتی چیزوں سے استفادہ کرنا سیکھیں گے اور ان کی اہمیت جانیں گے۔

پلاسٹک کا استعمال کم کریں: ڈبّہ بند چیزوں، پالی تھین اور پھینک دینے والی چیزوں (Disposal) کا استعمال کم کر کے کچرا گھٹائیں۔ اس طرح آپ اپنا ماحول صاف ستھرا رکھ سکتے ہیں۔

بجلی کی بچت کریں: جب ضرورت ہو تو لائٹ اور بجلی سے متعلق ساز وسامان بند کردیں۔ اس سے کافی حد تک بجلی کی بچت ہوگی۔

فطرت کے ساتھ رہیں: ویڈیو گیم کھیلنے اور ٹی وی دیکھنے کی بجائے باغیچے، پارک یا کھلے میدان میں جا کر کھیلیں۔ فطرت کے درمیان زیادہ وقت گزاریں۔ اس سے صحت بھی اچھی رہےگی۔

■

Intekhab Bin Tanweer
59, Chuna Shah Colony, PO: Mango
Jamshedpur - 831012 (Jharkhand)

نسیم سعید

مضمون

کورونا وائرس
(Coronavirus)

بچوں ہم گذشتہ کئی سالوں سے مختلف وائرس کے بارے میں سنتے آرہے ہیں۔ جیسے روبیلا وائرس، زیکا وائرس، نپاہ وائرس وغیرہ۔ وائرس ایک قسم کے خوردبینی جاندار ہوتے ہیں جو کہ وباء کی شکل وصورت میں نمودار ہوتے ہیں اور مختلف نت نئی اقسام کی بیماریوں کے پھیلنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ بعض دفعہ یہ بیماریاں متعدی اور جان لیوا بھی ہوتی ہیں۔ کئی بار یہ وباء کی صورت اختیار کرلیتی ہیں اوراس کی لپیٹ میں آنے والے ہر جاندار متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ اس کے اثر سے حیوانات، نباتات، چرند وپرند اور آبی جاندار بھی زد میں آجاتے ہیں۔ کبھی یہ وائرس جانوروں سے، کبھی پرندوں سے اور کبھی انسانوں کے ذریعے بھی پھیلتے ہیں۔

عالمی صحت تنظیم (WHO) کے مطابق پھل کھانے والے چمگادڑوں سے نپاہ وائرس پھلوں میں جاتا ہے۔ پھر اُن پھلوں سے انسانوں اور دوسرے جانوروں میں داخل ہوتا ہے۔ زیکا وائرس Aedesasegypti مچھروں سے پھیلتا ہے۔ اس وائرس سے متاثرہ انسان میں بخار، گلے میں خراش، جوڑوں میں درد، آنکھوں کا سرخ ہونا جیسی شکایتیں ہوتی ہیں۔ اس سے بچنے کے لیے کوئی ٹیکہ ایجاد نہیں ہوا ہے۔ روبیلا وائرس سے متاثرہ انسان ایک سے تین دنوں تک تیز بخار میں مبتلا رہتا ہے۔ کئی بار ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس سے متاثرہ انسان بے ہوشی کی نیند میں بھی چلا جاتا ہے اور موت بھی واقع ہوجاتی ہے۔

حالیہ دنوں میں ہمارے پڑوسی ملک چین سے بھی کورونا وائرس کے پنپنے کی خبریں موصول ہوئیں ہیں۔ یہ ایک جان لیوا وائرس ہے اور اب یہ وائرس سرحدیں پار کر کے دوسرے ممالک کے لوگوں کو بھی متاثر کررہا ہے۔ خاص طور سے چین

سے آنے والے ہر انسان کو احتیاطی تدابیر اور طبّی طریقہ کار سے گزرنا لازمی ہے۔ اسے ووہان (Wuhan) وائرس بھی کہا جا رہا ہے۔ کیوں کہ یہ ملک چین کے شہر ووہان سے پھیلا ہے۔

کورونا وائرس کو (Severe Acute Respiratory Syndrome)SARS پیدا کرنے کے لیے جانا جاتا ہے۔ اس سے متاثر انسان کو نمونیا اور سانس لینے میں دقّت پیدا ہوتی ہے۔ اسی خاندان کا وائرس ووہان میں پھیلا ہے۔ SARS وائرس بھی جانوروں کے بازار سے انسانوں میں داخل ہوا تھا اور (Middle East Respiratory Syndrome)MERS وائرس بھی اونٹوں کے ذریعے انسانوں کے اندر اپنی جڑیں مضبوط کی تھیں۔ لیکن ابھی تک کورونا وائرس کے اتنی تیزی سے پھیلنے کے خاص ذرائع کا پتہ نہیں چلا ہے لیکن عام طور سے یہ وائرس جانوروں میں پایا جاتا ہے۔ اندازہ ہے کہ چین میں حالیہ متعدی مرض سمندری غذاؤں کے بازار سے پھیلا ہے۔ اس بازار میں زندہ سمندری جاندار فروخت کیے جاتے ہیں۔ احتیاطی نقطہ نظر سے چین جانے والے انسانوں کو اُن بازاروں سے دور رہنا ضروری ہے جہاں زندہ جاندار فروخت ہوتے ہیں۔ عالمی صحت تنظیم (WHO) کے مطابق اس سے تحفظ کے لیے ہاتھوں کو ہر وقت صاف رکھیں۔ کوئی کھانس یا چھینک رہا ہو تو اُس سے دوری بنائیں رکھیں۔

تحقیقات میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ سانپوں اور چمگادڑوں کے ذریعے یہ وائرس آیا ہے۔ چین کی پیکنگ یونیورسٹی (Peking University) کے ہیلتھ سائنس سینٹر کے محقق کے مطابق کورونا وائرس سمندری غذاؤں، مرغیوں، سانپوں، چمگادڑوں سے آیا۔ اس کے مزید پھیلنے کے خدشے کے مدنظر احتیاط کرنی ضروری ہے کہ جس علاقے میں یہ وائرس پنپ رہا ہے اس علاقے سے آمدورفت کے تمام ذرائع اور انسانوں و جانوروں کو اُس علاقے سے باہر نکلنے پر روک لگائی جائے۔

کورونا وائرس کا تعلق وائرس کے ایسے خاندان سے ہے جس کے وبائی یا متعدی مرض میں زکام سے لے کر سانس لینے میں تکلیف جیسے مسائل کا سامنا درکار رہتا ہے۔ اس وائرس کو پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا ہے۔ بخار، کھانسی، ناک بہنا اور گلے میں خراش، سانس لینے میں تکلیف اس کی علامتیں ہیں۔ یہ وائرس جانوروں سے جانوروں میں، جانوروں سے انسانوں میں اور انسانوں سے انسانوں میں پھیلنے والا متعدی مرض ہے۔ اس لیے اسے لے کر بہت احتیاط برتی جا رہی ہے۔

اس وائرس سے بچنے کے لیے ہاتھوں کو صابن سے دھونا چاہیے۔ الکوحل پر مشتمل ہینڈ رب (Hand Rub) کا بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کھانستے یا چھینکتے وقت ناک اور منہ پر رومال یا ٹشو پیپر رکھیں۔ جن انسانوں میں سردی اور بخار کے آثار نمایاں ہوں اُن سے بھی دوری بنا کر رکھیں۔ انڈے اور گوشت جیسی خوردنی اشیا کے استعمال سے پرہیز کریں یا پھر خوب اُبال کر نوش فرمائیں۔ جنگلی جانوروں کے براہ راست رابطوں سے خود کو بچائیں۔ دراصل کورونا وائرس کے زیادہ معاملے اب تک سانپ، بلّی، چمگادڑ اور اونٹ جیسے جانوروں میں دیکھے گئے ہیں۔ اسی لیے اندیشہ ہے کہ یہ وائرس جانوروں سے ہی انسانوں تک پہنچا۔ سائنسدانوں کے مطابق کورونا وائرس کوئی ایک وائرس نہیں ہے بلکہ یہ کئی

وائرس کا ایک گروہ ہے۔

کورونا وائرس کے ذریعے فروغ پاتی وبا کے سبب چین میں ہیلتھ ایمرجنسی نافذ کردی گئی ہے۔ ہوائی اڈے پر لوگ اس متعدی مرض سے بچنے کے لیے ماسک پہن کر آرہے ہیں۔ پھر بھی دُنیا کے کئی ممالک اس کی گرفت میں آچکے ہیں۔ نئے قسم کا وائرس ہونے کی وجہ سے کب انسانوں میں یہ اپنا اثر دِکھاتا ہے اس کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ یہ SARS جیسا ہی خطرناک وائرس ہے۔ کیونکہ SARS بھی عمل تنفس سے متعلق وائرس ہے۔ حالانکہ ابھی تک اس وائرس سے دفع کے لیے کوئی ٹیکہ ایجاد نہیں ہوا ہے۔ مگر جرمنی کے کچھ سائنسدانوں نے اس کا ٹیکہ تیار کرنے کے ضابطے کا پہلا مرحلہ طے کرلیا ہے۔ فی الحال اس سے نجات پانے کا یہی اصول کارفرما ہونا چاہیے کہ جب تک کورونا وائرس کے حملے کا اثر ختم نہیں ہوجاتا تب تک سمندری غذاؤں کے استعمال سے دوری بنائیں رکھیں۔ صاف صفائی کا لحاظ رکھ کر اس سے مزید بچا جاسکتا ہے۔ جہاں ہاتھ دھونے کا انتظام نہ ہو وہاں دستِ جراثیم کش (Hand Sanitizer) ہمیشہ اپنے پاس رکھیں۔ عوامی نقل وحمل کے ذرائع کا استعمال کرنے کے بعد ہاتھ صاف کیے بنا انھیں اپنے چہرے اور منہ پر نہ لگائیں۔ اُس کے ساتھ ہی بیماروں کے علاج کے دوران خود اپنی حفاظت پر بھی نظر رکھیں۔ ■

Naseem Sayeed
M.M. Rabbani High School
Kamptee - 441001

رب کا شکر ادا کرتا ہوں

رب کا شکر ادا کرتا ہوں
جس نے ماں جیسی نعمت دی
دادی ماں کا روپ دکھایا
بھیا جیسا بازو بخشا
پیاری پیاری بہن عطا کی
یہ اچھا سا ، پیارا سا گھر
تازہ ، ٹھنڈی ، مست ہوائیں
سورج اپنا نور لٹائے
صبح سلونی ہر دن آئے
نیند مری آنکھوں میں رکھ کر
اچھے اچھے خواب دکھائے
صبح سویرے کیا کرتا ہوں

رب کا شکر ادا کرتا ہوں
ابو کے جیسی رحمت دی
دادا کو دم ساز بنایا
بے قابو کو قابو بخشا
کتنی نوازش ہے یہ رب کی
کھیلتا ہوں میں جس میں دن بھر
ہر دم میرا جی بہلائیں
اور مری طاقت بن جائے
شام کا تحفہ دے کر جائے
رات لگا دیتی ہے بستر
نئے جہاں کی سیر کرائے
رب کا شکر ادا کرتا ہوں

■

Abdur Rahim Nashtar
301 - Image Residency, Plot No: 94
Ayyappa Nagar
Nagpur - 440013 (Maharashtra)

حشمت کمال پاشا

غزل

خوابوں میں بھی اسکول کا ڈر دیکھ رہا ہوں
اِکزام کی آمد کا اثر دیکھ رہا ہوں

'ت' سے لکھوں 'توتا' کہ لکھوں 'ط' سے طوطا
املے کا نگر زیر و زبر دیکھ رہا ہوں

کچھ سخت ہی ایسا ہے کہ پلے نہیں پڑتا
میں اپنا سبق دیر سے 'سر' دیکھ رہا ہوں

کہتا ہے یہ جوتش کہ پڑھو ٹھیک سے بیٹا
ریکھا میں پڑھائی کی کسر دیکھ رہا ہوں

دربان چلا ہاتھ میں وہ موگری لے کر
بجنے کو ہے چھٹی کا گجر دیکھ رہا ہوں

بنگال کے بچوں کی ہے یورپ میں تجارت
اخبار میں منحوس خبر دیکھ رہا ہوں

سادھو سا بنا بیٹھا ہے وہ آج جو پاشا
ابو کی پٹائی کا اثر دیکھ رہا ہوں

■

Hashmat Kamal Pasha
B-119, Nawab Wajid Ali Shah Road
P.O: Garden Reach
Kolkata - 700024 (West Bengal)
Mob:6290479899

راحت مظاهری

چاند اور اسکول

چاند اور اسکول
ہر رات دیکھتا ہے
جب چاند آسماں پر
ہوتا ہے مجھ کو دھوکا
یا وہ بھی دیکھتا ہے
میری طرف کو ہر شب
چھپ، چھپ کے آسماں سے
ایسا اگر ہے ممّا!
تو فون کر دو اس کو
اُترے وہ آسماں سے
اسکول میرے آئے
پڑھ لیں گے ساتھ دونوں
رہ لیں گے ساتھ دونوں

■

Dr. Rahat Husain
172, A, Ambedkar Basti
Maujpur
Delhi - 110053
Mob.: 9891562005

غزل

تُم ہی سوچو، بُرا کہ اچھا ہوں
میں تو بس دوستی کا مارا ہوں

خواب مجھ کو جگائے رکھتا ہے
جاگتا ہوں کہ دُھن کا پکّا ہوں

کیریوں کے سلام آتے ہیں،
جب میں اَمرائی سے گزرتا ہوں

بھیگے موسم کی مہربانی ہے،
گیلے موزے پہن کے بیٹھا ہوں

یوں تو کم بولتا ہوں میں لیکن،
بیت بازی میں ’فرسٹ‘ آیا ہوں

پا لیے ہیں رعایتی نمبر —
یعنی میں پاس ہونے والا ہوں

■

Ataur Rahman Tariq
701/3A, Vijaya Co-op. Hsg. Society
Vaishali Nagar, K.K. Road. Mahalaxmi
Mumbai - 400011
Mob: 9773238043

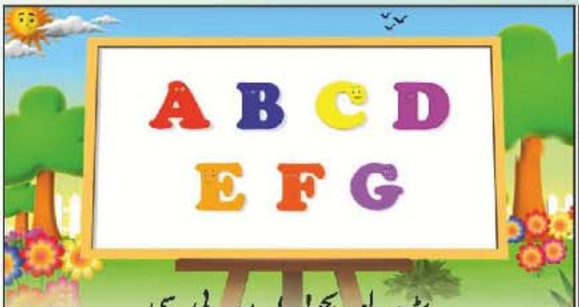

پڑھ لو بچو! اے، بی سی
پڑھ کے بن جاؤ ٹی، سی
پھر پڑھنا ہے ڈی، ئی، ایف
خود کو رکھنا ہے پھر سیف
یاد کرو پھر جی، ایچ، آئے
لائف کرلو ہائے اور فائے
جے، کے، ایل، بھی پڑھنا ہے
پھر آکاش میں اڑنا ہے
کر کو ایم، این، او، کو یاد
ساری عمر رہو گے شاد
جو بھی پڑھے گا پی، کیو، آر
پائے گا وہ سب کا پیار
مل کر پڑھ لو ایس، ٹی، یو
جو نہ پڑھے اس پر تھو تھو
وی، ڈبلیو اور پڑھ کے ایکس
سمجھو کیا ہوتا ہے فیکس
اے، سے وائے اور، زیڈ، تلک
انگریزی لفظوں کی جھلک

■

Anees Kaifi
Jalgaon (Maharashtra)
9970451853

رشید احمد صدیقی

مسجد کا قیدی

بچو! بہت دن کی بات ہے جب میں تم سے بھی چھوٹا تھا، شاید تمھارے چھوٹے بھائی کے برابر۔ میرا خیال ہے کہ میں نے شرارت کبھی نہیں کی، لیکن تم سے کیا چھپانا۔ بے وقوفیاں البتہ ایسی ایسی کی ہیں کہ اور تو اور تم بھی میری بے وقوفی پر ہنس پڑو گے! اور ہنس نہ سکو تو سمجھ لینا کہ بوڑھا ہونے پر بھی میں بے وقوف ہی رہا۔ جو تعجب کی بات نہیں ہے، یا پھر تم بچہ سے زیادہ بوڑھے ہو جو افسوس کی بات ہے۔ کیا ہنسنے کے لیے تم مجھ سے بھی بڑے بیوقوف کے منتظر ہو؟ ہنسنے کے لیے کسی بے وقوف کا انتظار کرنا بھی ہنسی کی بات ہے!

بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کبھی کسی پر نہیں ہنستے۔ یہ ایسے بدقسمت ہیں کہ اتفاق سے یہ ہنس پڑیں تو دوسرے ان پر ہنسنے لگتے ہیں۔ کچھ لوگ ہنسی میں ان کو فلسفی کہتے ہیں، لیکن مجھے ان باتوں سے کیا مطلب کہ کون فلسفی ہے۔ مجھے تو صرف اتنا معلوم ہے کہ بچے فلسفی نہیں ہوتے اور میں بے وقوف ہوں۔ اسی لیے عقلمندی سیکھنے کے لیے میرے پاس آتے رہتے ہیں۔

بچو! تم بڑے ہو گے تو تم کو ایسے بہت سے عقلمند ملیں گے جنھوں نے بے وقوفوں سے بے وقوفی سیکھی ہے!

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں بے وقوف ہوں کچھ لوگ فلسفی ہیں اور تم بچے ہو۔ اگر تم میری بے وقوفی سے بڑھی ہوئی بے وقوفی کا کوئی سچا قصہ پیامِ تعلیم میں شائع کرا سکو اور شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب بھی کہیں کہ تمھاری کہانی کا بے وقوف مجھ سے بڑا بے وقوف ہے تو میں تم کو ایسے شخص کی تصویر تحفہ میں دوں گا جس کے بارے میں ذاکر صاحب فرمائیں گے کہ اس سے بڑا بے وقوف ان کے علم میں اس وقت سارے ملک میں نہیں ہے۔

اس میں ایک گڑبڑ ضرور ہے یعنی اگر ذاکر صاحب نے میرا نام تجویز فرمایا تو پھر میں اپنی تصویر نہ بھیج سکوں گا۔ اس لیے کہ ان ہی کی طرح کام کرنے والوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ بعض شکلیں ایسی ہوتی ہیں جن کو کم عمر بے گناہ بچوں کو نہ دکھانا

چاہیے!

میں نے شرارت کبھی نہ کی اس لیے ماں باپ کے ہاتھ سے کبھی نہیں پٹا لیکن بے وقوفیوں کے سلسلے میں مجھے بعض ایسی سزائیں بھگتنی پڑی ہیں کہ تم سن کر ہنس پڑو گے۔ میں جہاں رہتا تھا۔ اس سے قریب ہی ایک ٹوٹی مسجد تھی جس میں بہت سے چمگادڑ تپسیا میں الٹے لٹکے رہتے تھے، کچھ بے ٹونٹی کے مٹی کے لوٹے جہاں تہاں رکوع اور سجود میں نظر آتے تھے۔ کسی زمانے میں مسجد کے گرد احاطہ بھی تھا جس کی دیواریں گر چکی تھیں لیکن سامنے کا دروازہ قائم تھا جس میں کواڑ اور کنڈی بھی تھی۔ گھر کا ایک ملازم تھا۔ فضلو، نہایت دبلا پتلا۔ اس کے ہاتھ ایسی لکڑی کے بنے معلوم ہوتے تھے جس پر سے سوکھی چھال علاحدہ نہ کی گئی ہو، خاموش جھکا ہوا، بالکل اسی ٹوٹی مسجد کی مانند کبھی کبھی میں اسے پسند بھی کرتا تھا لیکن آگے چل کر تم کو معلوم ہوگا کہ میں کیوں بیزار ہوگیا۔

والدہ کی تاکید تھی کہ بڑے بھائی کا نام نہ لیا کرو اس زمانے میں اپنے سے بڑے بھائی کا نام لینا اور رشتہ یا تعظیم کا کوئی لفظ شامل نہ کرنا بدتمیزی خیال کیا جاتا تھا۔ بڑے بھائی کا پیار کا نام صمنا تھا۔ اکثر غصہ میں ان کو صمنا کہہ دیتا اس کی شکایت ہوتی تو ماں باپ مجھ کو سمجھاتے اور برا بھلا کہتے۔ چنانچہ معلوم نہیں کیوں اور یہ کیسے میں یہ سمجھنے لگا کہ صمنا نام نہیں بلکہ کوئی گالی یا بدتمیزی ہے۔

ایک دن بھائی صاحب کی شکایت کرنے ماں کے پاس پہنچا۔ بے وقوف ہونے کے علاوہ میں کمزور اور مریض بھی تھا اس لیے ہر شکایت رو کر پیش کرتا۔ یہی نہیں بلکہ روتا زیادہ اور شکایت کم کرتا! والدین سمجھنے لگے تھے کہ جب تک میں رونے کا پورا کورس ختم نہ کرلوں گا مطلب کی بات زبان پر نہ آنے دوں گا۔ اس لیے میرے رونے کی طرف توجہ نہ کرتے اس سلوک سے ظاہر ہے مجھے اور زیادہ رونا پڑتا۔ رونے میں میرا کچھ بگڑتا نہ تھا اور ظاہر ہے کہ اس طرح کے رونے سے میں کسی اور کا بھی کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا۔ اس لیے میرے رونے کی مدت ہمیشہ بڑھتی رہی لیکن جلد ہی مجھ پر یہ بھید کھلا اور آنکھیں کھلیں (میں آنکھ بند کر کے روتا تھا) کہ اس طرح روتے رہنے میں اتنی دیر لگ جاتی ہے کہ شکایت کرنا ہی بھول جاتا ہوں۔ اس طرح نہ جانے میری کتنی معصوم شکایتوں کا خون ہوتا رہا اور مجھے کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ باوجود اس کے کہ میں کافی اونچے سروں میں روتا تھا۔

آخر میں مجھے کچھ ایسا معلوم ہونے لگا تھا کہ شاید میرے رونے کا تال سر ٹھیک نہ تھا۔ اس لیے کہ میرے رونے پر لوگ ہمدردی کرنے کے بجائے ہنسنے لگتے تھے اور پیٹھ پیچھے ہنستے تو ایسا کچھ برا بھی نہ تھا۔ رونا تو اس کا تھا کہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہنستے۔ اسی لیے خاص طور پر میں نے آنکھیں بند کر کے رونا شروع کردیا تھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تال سر سے رونا بہتر ہے۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کسی کے رونے پر ہنسنا اچھی بات نہیں ہے اور کسی کے ہنسنے پر رونا تو اور زیادہ ہنسی کی بات ہے! لیکن میں بے وقوف ہوں میری اپنی ذمے داریاں کیا کم ہیں کہ میں دوسروں کے رونے ہنسنے پر زیادہ دیر تک سوچوں اور سوچنے سے یوں بھی بیوقوف ہمیشہ خسارہ میں رہتا ہے۔

والد کے پاس شکایت لے کر پہنچنے کا قصہ یہ ہے کہ میں نے بھائی صاحب کی کتاب پھاڑ ڈالی ہوگی۔ گو اس وقت تک

مجھے کاپی کتاب سے کوئی سروکار نہ تھا۔ یہ بات کسی اور کی سمجھ میں آتی ہو یا نہیں میری سمجھ میں خوب آتی ہے کہ کتاب پھاڑنے کا بدلہ کتاب پھاڑنے ہی سے لیا جاسکتا تھا۔ میں اگر اپنے معصوم ذہن پر زور ڈالتا تو یہ بھی ممکن تھا کہ بھائی صاحب کی کتاب نہ ملتی تو میں کسی اور کی کتاب پھاڑ ڈالتا۔

جب تک میں روتا رہا والدہ خاموش رہیں۔ میں یہ سمجھا کہ میرے رونے کا اثر ہو رہا ہے۔ اس لیے میں نے اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ نتیجہ وہی ہوا جو میں بتا چکا ہوں یعنی رونے کا کورس ختم ہو گیا اور میں وہ بات بھول گیا جس کے لیے رونا شروع کیا تھا۔ والدہ نے پوچھا۔ کیا بات تھی، تو بجائے بات یاد آنے کے مجھے رونا یاد آ گیا۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ وہ پھر دوسری طرف متوجہ ہو گئیں۔ میں نے چیخ کر کہا کہ بھائی صاحب نے مجھے گالی دی ہے۔

والدہ کو گالی سے بڑی نفرت تھی۔ اکثر کہا کرتیں کہ گالی سے بہتر مار پیٹ ہے۔ والدہ کا یہ کہنا مجھے یاد تھا ایک دفعہ میں نے اس پر عمل بھی کیا، لیکن جلد ہی معلوم ہو گیا کہ مار پیٹ یکطرفہ نہیں بلکہ دو طرفہ ہوتی ہے اور جہاں اس طرح کا دو طرفہ کاروبار ہو رہا ہو وہاں مجھ جیسا بے وقوف جس کا ذہن ایک طرفہ ہوتا ہے۔ ہمیشہ گھاٹے میں رہے گا۔ بھوت اور بے وقوف دونوں کے بزرگوں نے مار پیٹ سے بچنے کی بڑی وصیتیں چھوڑی ہیں۔

بھائی صاحب بلائے گئے اور ان سے جواب طلب کیا گیا۔ الزام سن کر وہ ہکا بکا رہ گئے۔ پھر بولے انہی سے پوچھیے، میں نے کب کون سی گالی دی ہے۔ میں نے ایک نعرہ لگا کر کہا انھوں نے مجھے بڑے زور سے کہا'' لیکن میں یہ دیکھ کر خود ہکا بکا رہ گیا کہ سارے گھر والوں نے میرے نعرے سے کہیں بلند قہقہہ لگایا۔ اس کے بعد بھائی صاحب نے میرے خلاف اپنی کتاب پھاڑ ڈالنے کا جو الزام لگایا اس پر مجھے سزا دی گئی۔ فضلو بلایا گیا اور یہ ہدایت کی گئی کہ مجھے لے جا کر ٹوٹی ہوئی مسجد میں بند کر دیا جائے جہاں مجھے سیار (گیدڑ) کھا جائے گا۔ وہ مجھے پیٹھ پر لاد کر مسجد میں لایا اور اندر ڈھکیل کر صدر دروازہ کی کنڈی باہر سے چڑھا دی۔

میں دیر تک روتا شور مچاتا اور دروازہ کو دھکّے دیتا رہا۔ اس میں شک نہیں کہ آس پاس دیواریں گری ہوئی تھیں اور میں کسی طرف سے باہر نکل سکتا تھا۔ لیکن میرے ذہن میں یہ بات کس طرح آسکتی تھی اور آتی بھی تو میں اسے مان کیوں لیتا کہ جس دروازے سے مجھے مسجد میں داخل کیا گیا نکلنے کے لیے میں اس کے بجائے کوئی اور دروازہ کھولتا۔ میں بتا چکا ہوں کہ میرا ذہن ایک طرفہ تھا۔ قاعدہ کی بات یہ ہے اور بے وقوف سے زیادہ قاعدہ کا پابند کون ہو سکتا ہے جس راستہ سے داخل ہوں اسی راستہ سے باہر نکلیں اگر وہ راستہ بند ہے تو قصور اس راستہ کا ہے اسے کھلنا چاہیے۔ اور میں یہی کوشش بھی کر رہا تھا۔

کچھ جوان بوڑھے اس طرف سے گزرے اور انھوں نے مجھے بتایا کہ ہر طرف سے دیوار گری ہوئی تھی۔ جدھر سے چاہوں نکل جاؤں لیکن میری لڑائی تو دروازے سے تھی میں ان جوان بوڑھوں سے صلح کی بات کیسے کرتا اور کیوں کرتا۔

تھوڑی دیر بعد میرے ہی عمر کا ایک لڑکا بھی آیا۔ اس نے وہی بات بتائی جو اوروں نے بتائی تھی۔ اس کی عمر اور گستاخی دیکھ کر میں نے اس پر ایک ڈھیلا پھینکا جس کا اس نے قہقہہ سے جواب دیا میں آپے سے باہر ہو گیا۔ ساتھ ہی ساتھ لڑکے سے

نپٹنے کے لیے مسجد سے بھی باہر ہو گیا لیکن لڑکا بھاگ گیا اور میں پھر مسجد کے اندر دروازے سے جالگا۔

کہیں کسی طرف سے بات بنتے اور دروازہ کھلتے نہ دیکھ کر میں چپ ہو گیا اور دروازے سے اپنی پیٹھ، جما کر کھڑا ہو گیا۔ عام طور سے دروازے سے پیٹھ لگا کر اس لیے کھڑے ہوتے ہیں کہ کوئی شخص باہر سے کواڑ کھول کر اندر آنا چاہے تو نہ آسکے۔ ظاہر ہے میرا مطلب یہ نہ تھا کہ مجھے غافل پا کر کوئی دوسرا دروازہ کو کھلوانے کی کوشش شروع کر دے۔ شاید مجھے کچھ اس طرح کا بھی اندیشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قید ہونے کی رسوائی تو مجھے اٹھانی پڑی اور دروازہ سے نکل جانے کو کوئی دوسرا آجائے کافی دیر بعد فضلو نے دروازہ کھولا اور میں باہر نکلا اور پیدل واپس آگیا اور فضلو کے کہنے پر بھی نہ تو اس کی گود میں گیا نہ اس کی انگلی پکڑی۔

میں اپنی ہر بیوقوفی پر مسجد میں کیا جاتا۔ سیار کبھی نظر نہ آیا۔ اس لیے میں کچھ ایسا سمجھنے لگا تھا کہ مسجد بند ہونا اور نکل نہ پانا سیار تھا! البتہ مجھے فضلو سے نفرت ہو گئی تھی اور اس پر خدا کا شکر کیا کرتا کہ اس نے میرے لیے مسجد کو سیار بنا دیا تھا فضلو کو نہیں! میں اس کی بھی دعا مانگا کرتا تھا کہ خدا وہ دن نہ لائے۔ جب میں فضلو کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر مسجد میں قید کر آؤں!

جب تک میں مسجد میں قید رہا رونے، دروازہ پیٹنے اور دھکے دینے کے بعد ہر وقفہ میں میرے دل میں اس کتاب کے بارے میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوتے رہے۔ مثلاً یہ کہ میں نے کتاب ضرور پھاڑ دی لیکن وہ پھٹی کیوں۔ اور پھٹ بھی گئی تو پھر جڑ کیوں نہ گئی۔ پھٹ جانے میں اس کا کیا فائدہ ہوا اور جڑ جاتی تو اس کا کیا بگڑ جاتا۔ یہ سارے لوگ میرے پیچھے تو ڈنڈا لیے پھرتے ہیں اور ایک آدھ مار بھی دیتے ہیں لیکن اس کتاب کو کچھ نہیں کہتے۔ میں بڑا ہو جاؤں گا۔ تو فضلو کو پیٹھ پر بٹھا کر اسے مسجد میں بھیجوں گا۔ لیکن اگر وہ اس وقت میرے پاس آجائے تو میں اسے اپنے ساتھ کھیلنے دوں گا۔ گھر میں تو وہ بس پھٹی پڑی ہو گی۔ اگر اس کو اچھے کپڑے پہنا دیے جائیں اور مٹھائی کھلا دی جائے تو وہ کھیلنے کودنے لگے گی اور میرے ساتھ دوستی کرے گی اور پھر کبھی نہ پھٹے گی اور جو فضلو ہے جس سے میں ڈرتا ہوں وہ اس سے بالکل نہ ڈرے گی اور اس کا منہ چڑایا کرے گی تو فضلو بالکل ہمارے گھر سے چلا جائے گا۔

مجھے مٹی اور فضلو کو چغلی کھانے کا بڑا شوق تھا۔ میرا یہ شوق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ مجھے اکثر کچھ ایسا بھی خیال ہوا۔ جیسے میں نے مٹی نہیں کھائی تھی بلکہ مٹی نے مجھے کھایا تھا۔ ممکن ہے فضلو کے ساتھ چغلی نے بھی یہی سلوک کیا ہو۔ مٹی کھانے میں بڑا مزہ آتا تھا۔ یہ مزہ فضلو کے چغلی کھانے سے کرکرا ہو جاتا، کبھی کبھی مٹی بھی کرکری ہوتی ہے۔

مٹی کھانے پر والد صاحب نے ایک دن میرے دونوں کان پکڑ کر مجھے اتنا اونچا کر دیا کہ جتنا میں اب ہوں میرے لیے یہ تجربہ بالکل نیا تھا اور تکلیف دہ بھی، خاص طور پر ایسی حالت میں جب کہ مٹی منہ میں ہو زبان باہر ہو اور مٹی کی یہ دنیا کچھ ایسی معلوم ہو رہی ہو جیسے مٹی کھانے پر اسے کان پکڑ کر اٹھا لیا ہو، والدہ نے دوڑ کر مجھے زمین پر آنے سے پہلے ہی گود میں سنبھال لیا۔ میں نے اس وقت خیال کیا جب اپنا کان دوسرے کے ہاتھ ہو اور پاؤں ہوا میں تو ماں کی گود سب سے اچھی چیز ہے۔ بچو! اس بات کو تم ابھی نہیں سمجھ سکتے کیونکہ تم

ٹھہرے بچے اور میں ٹھہرا بے وقوف۔ البتہ اس واقعہ سے مجھے اپنی بے وقوفی سے ہمدردی اور فضلو سے سخت نفرت ہوگئی!

اب میں نے فضلو سے بدلہ لینے کی ٹھانی میں جانتا تھا کہ کتنا ہی چھپ کر کوئی بات کیوں نہ کروں فضلو کو ضرور خبر ہوجائے گی۔ عجب طرح کی فکر تھی۔ فضلو کا ڈر۔ بدلہ لینے کی دھن۔ مٹی کھانے کی چاٹ۔ یہ تین بلائیں ایک طرف اور دوسری طرف ایک میں بے وقوف۔ میں سوچتا رہا لیکن کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی اور آئی تھی تو یہ کہ تین بلائیں پہلے سے تھیں۔ سوچنے کی یہ چوتھی بلا کہاں سے آ پہنچی۔ میں نے مٹی کھالی۔ یہ بلا ضرور تھی لیکن مزے دار بھی تھی۔

مٹی کھا لینے کے بعد ڈر پیدا ہوا۔ ڈر سے بزدلی، فضلو سو رہا تھا۔ پگڑی سرہانے رکھی تھی۔ میں نے چپکے سے جا کر اس کی پگڑی سے اپنا منہ صاف کیا۔ مٹی کے دھبے دیکھ کر جی خوش ہوگیا کہ فضلو سے بدلہ لے لیا۔ کچھ دیر ٹھہر کر دل ہی دل میں خوش ہوا لیکن جلد ہی کچھ ایسا معلوم ہونے لگا۔ جیسے یہ دھبے عجیب عجیب طرح سے منہ بنا کر فضلو سے میری شکایت کر رہے ہوں۔ میں وہاں سے بھاگا۔ گھر میں سب سو رہے تھے۔ ماں کی چارپائی پر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ لیکن فضلو کی پگڑی کے دھبے ناچتے تھرکتے قلابازیاں کھاتے آنکھ بند کیے پر بھی دکھائی دینے لگے۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے یہ داغ دھبے رہ رہ کر فضلو کی شکل سے زیادہ خراب اور ڈراؤنی! بچو! تم کو نہیں معلوم کہ جس چیز کو دیکھنا نہ چاہو اور وہ آنکھ بند کرنے پر بھی دکھائی دے تو طبیعت کیسی پریشان ہوتی ہے۔

گھبرا کر میں نے اپنے ہاتھ پاؤں چہرہ سب کو سمیٹ کر ماں کے پیٹ اور سینہ سے لگا دیا اور سو گیا۔ ڈر اور تکلیف میں ماں سے چمٹ کر سونا بھی کیسی نعمت ہے۔ ماں کا سہارا نصیب ہو تو دنیا کے تمام فضلوؤں اور ان کی پگڑی کے داغ دھبوں کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ بچو! میں تو پنٹ بے وقوف ہوں۔ اس لیے میرا یہ کہنا تمھاری سمجھ میں اتنا نہ آئے گا جتنا تمھارے بزرگوں کی سمجھ میں۔ ان سے پوچھ لینا میرا خیال ہے کہ وہ تم کو نہ بتا سکیں گے۔ صرف تم کو دعائیں دیں گے کہ تم ان کی عمر کو پہنچو گے تو یہ بھید تم پر آپ کھل جائے گا۔ سو کر اٹھا تو سوچ میں ڈوب گیا کہ فضلو کے داغ دھبے کا واقعہ میرے جاگنے میں ہوا تھا یا سونے میں، لیکن مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے والدہ سے کہا۔ اماں فضلو کو گھر سے نکال دیجیے۔ انھوں نے وجہ پوچھی تو میں نے کہا بات یہ ہے کہ فضلو مٹی کھاتا ہے اور پگڑی سے منہ پوچھتا ہے۔ مٹی کھانے سے اس کا منہ میلا ہے اور بدبودار ہوگیا ہے۔ دیکھیے میرا منہ کتنا صاف ہے۔ میں نے یہ فقرہ بے وقوفی سے کہہ دیا تھا اور کہا ہی نہیں بلکہ منہ کھول دیا اور تم جانتے ہو بے سوچے سمجھے منہ کھولنا بے وقوفی ہے۔ ماں نے دیکھا کہ مٹی کھانے سے زبان دانت، ہونٹ، سارے میلے ہو رہے ہیں۔

اتنے میں فضلو نے دروازے پر سے آواز دی۔ بی بی دیکھیے پگڑی کا ستیاناس ہوگیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ میں تھا— فضلو کی پیٹھ تھی اور مسجد کا سفر۔ ساتھ میں ناچتے تھرکتے وہ داغ دھبے تھے جن کی شکل اب فضلو ہی کی نہ تھی بلکہ اس غیر آباد مسجد کی بھی تھی، جس میں دروازہ تھا دیواریں نہ تھیں!

بچو! میں اب بھی بے وقوف ہوں لیکن افسوس بے وقوفی کر نہیں پاتا۔ مبارک ہو تم کو کہ تم ابھی بے وقوفی کر سکتے ہو! ■

بہ شکریہ: مہر الٰہی ندیم علیگ

انیس مرزا

جانباز لڑکی

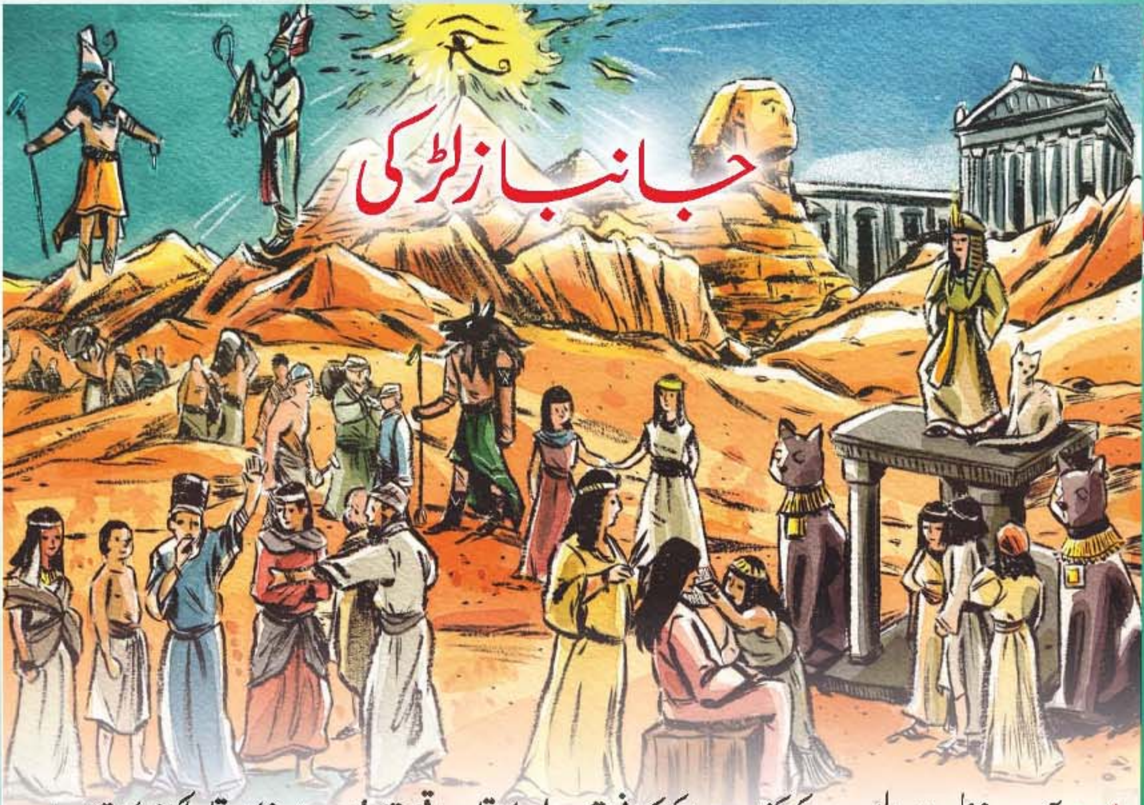

بچّو! آپ نے علی بابا چالیس چور کی کنیز مرجینا کی کہانی تو ضرور سُنی ہوگی جو نہایت چالاک، عقل مند اور دلیر لڑکی تھی، اُس نے اپنی ذہانت سے علی بابا کے دشمن چوروں کے سردار اور اس کے تمام چوروں کو کھولتا ہوا تیل کُپّوں میں ڈال کر موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔

اسی طرح کناڈا کے ایک شہر کیوبیک کی رہنے والی ایک لڑکی نے اپنی بہادری اور عقل مندی سے وہاں کے جنگلی خونخوار ڈاکوؤں کو شکست دے دی تھی، اُس دلیر اور بہادر لڑکی کا نام میڈلین ہے جسے آج بھی دو ڈھائی سو سال بعد نہایت عزت و فخر کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔

دو ڈھائی سو سال پہلے کی بات ہے، کناڈا کے مانٹریال شہر سے چالیس میل دور لارنیس ندی کے کنارے ایک پُرانی طرز کا قلعہ واقع تھا، اُس زمانے کا یہ قلعہ لکڑی کا تھا اور اسے لکڑی کے بڑے بڑے پٹھّوں کو کھونٹیوں کی مانند ایک دوسرے سے ملا کر زمین میں گاڑا گیا تھا اور لکڑی کی ہی دیواریں بنائی گئی تھیں۔

اس قلعے کی تعمیر کے بعد اس کی حفاظت کے لیے بیس سپاہیوں کو مقرر کیا گیا جو اسی قلعے کے اندر رہتے تھے، ان تمام بیس سپاہیوں کے افسر کا نام مسٹر ورچر تھا، انھی سپاہیوں کے افسر مسٹر ورچر کی بیٹی کا نام میڈلین تھا اور اُس کی عمر صرف 14 سال تھی۔

اُس زمانے میں یہ تمام سپاہی قلعے میں اپنے کنبوں کے ساتھ ہی رہا کرتے تھے، سپاہیوں کو اُس زمانے میں کم تنخواہ ملا کرتی تھی، اس لیے سارے سپاہی اپنے کھانے پینے اور

ضروریات زندگی کے لیے قلعے سے باہر واقع کھیتوں میں جا کر کاشت کاری کیا کرتے تھے، اُن سے جو اناج اور سبزیاں پیدا ہوتی تھیں اسی سے سارے سپاہیوں کی گزر بسر ہوا کرتی تھی۔

یہ سارے سپاہی فرانس کے رہنے والے تھے، چونکہ فرانس سے وہاں تک ضروری چیزیں بہت کم پہنچ پاتی تھیں۔ اس لیے یہ سب کھیتی باڑی کرتے تھے اور فصل کے دنوں میں تمام سپاہی اپنے اپنے کھیتوں پر چلے جایا کرتے تھے، اُن کے چلے جانے کے بعد قلعے میں صرف دو تین بوڑھے سپاہی یا خواتین و بچّے ہی رہ جایا کرتے تھے۔

فصل جب پک کر پوری طرح تیار ہوگئی تو ایک دن قلعے میں صرف دو سپاہیوں کو اس کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر سپاہیوں کے افسر مسٹر ورچر باقی تمام سپاہیوں کے ساتھ کھیتوں پر چلے گئے اور بے فکر ہو کر فصل کی کٹائی میں مصروف ہوگئے۔

امن کا زمانہ تھا اس لیے وہ بے فکر اور مطمئن تھے اور گیت گا گا کر فصل کی کٹائی کر رہے تھے۔

دور اوپر ایک ٹیلے پر کھڑی میڈلین سارے سپاہیوں اور اپنے باپ کو فصل کی کٹائی کرتے اور اُن کے تیزی کے ساتھ چلتے ہاتھوں کو دیکھ اور اُن کے گیتوں کے بولوں کو سُن سُن کر خوش ہو رہی تھی۔

تبھی اچانک ہیرو کی نامی ایک جنگلی نسل کے لیٹروں نے ان فصل کاٹتے سپاہیوں پر حملہ کردیا، یہ حملہ اچانک کیا گیا تھا اس لیے کوئی سنبھل نہیں پایا، پھر بھی اُن کے افسر ورچر نے تحکمانہ لہجے میں اپنے سپاہیوں کو حکم دیا...... ''چلو...... چلو...... قلعے کے اندر چلو، اُس کی حفاظت ضروری ہے۔''

لیکن تب تک بہت دیر ہوچکی تھی، جنگلی لیٹروں نے سارے سپاہیوں کو اپنے نرغے میں لے لیا اور نہتے سپاہی اُن کے گھیرے میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے، اس کے باوجود سپاہیوں کے افسر مسٹر ورچر نے اپنا حوصلہ نہیں کھویا اور انھوں نے لیٹروں کے حصار میں ہونے کے باوجود اپنے سپاہیوں کو دو بدو جنگ لڑنے کا اعلان کردیا۔

حکم ملتے ہی سپاہیوں نے ڈاکوؤں سے مقابلہ شروع کردیا، حالانکہ اُن کے پاس ہتھیار نہیں تھے صرف فصل کاٹنے کے اُوزار تھے، اُسی کو ہتھیار بنا کر تمام سپاہی لیٹروں سے بھڑ گئے، زوردار مقابلہ شروع ہوگیا، لیکن لیٹروں کے سامنے ان سپاہیوں کی ایک نہ چل سکی اور نہ اُن کی کوئی بہادری ہی کام آئی، لیٹروں کے سردار کے حکم پر سپاہیوں کو باندھ کر بے بس کردیا گیا۔

دور ٹیلے پر کھڑی میڈلین یہ سب دیکھ رہی تھی، اپنے باپ اور سپاہیوں کا لیٹروں کے ساتھ مقابلہ بھی دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ وہ کس طرح قید کرلیے گئے تھے، یہ دیکھتے ہی میڈلین تیزی سے قلعے کی طرف بھاگی اور قلعے کے اندر جا کر اُس نے نہایت پُھرتی سے قلعے کا پھاٹک بند کردیا اور وہاں پہرے پر موجود دونوں سپاہیوں کو ساری بات بتائی تو اُن کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور انھوں نے کہا...... ''قلعے کے بارود خانہ میں آگ لگا دو، قلعے کو اڑا دو، ہم لوگ اس طرح مر جائیں گے ورنہ یہ ظالم لیٹرے ہمیں سخت اذیتیں دے دے کر ماریں گے۔''

حالانکہ میڈلین کی عمر صرف چودہ سال تھی اور وہ بچّی ہی تھی لیکن قلعے کے بوڑھے سپاہیوں کی بات سُن کر وہ بالکل نہیں گھبرائی بلکہ غصّے سے بولی...... ''ارے گیدڑ کی موت

مرنے سے بہتر ہے کہ شیر کی موت مرو۔ ہم مقابلہ کریں گے۔''

اب میڈلین قلعے کی محافظ اور سپہ سالار تھی، اُس نے قلعے میں جو مقام کمزور دیکھا اُسے ٹھیک کرایا اور تمام قلعے میں موجود عورتوں کے ہاتھوں میں بندوقیں دے دے کر ان کو جگہ جگہ تعینات کر کے مورچہ سنبھالنے کا حکم دے دیا۔

جنگلی لیٹروں نے سوچا تھا کہ قلعے میں صرف عورتیں اور بچّے ہوں گے، وہ قلعے کو لوٹ کر برباد کر دیں گے، یہ سارا کام وہ بہت آسان سمجھ رہے تھے، لیکن جب وہ قلعے کے پاس پہنچے تو عورتوں کی بندوقوں نے شعلے اور آگ اُگلنا شروع کر دیا۔

اچانک اس فائرنگ سے کئی لیٹرے گولیاں کھا کھا کر زمین پر ڈھیر ہو گئے، باقی بچے لیٹرے خوف زدہ ہو کر جہاں تہاں چھپ گئے۔

لیکن لیٹروں کے سردار نے اُن سب کو للکارا اور دوبارہ قلعے پر چڑھائی کرنے کا حکم کر دیا۔

اتفاق سے قلعے کے اندر ایک پُرانی توپ بھی موجود تھی، میڈلین اُسے دیکھ کر خوش ہو گئی، اُس نے جلدی جلدی اسے صاف کیا اور اُس میں تیزی سے گولا بارود بھر کر آگ لگا دی، توپ دغی جس سے ایک زبردست دھماکہ ہوا، لیٹرے توپ کے اس زوردار دھماکے سے اتنے خوف زدہ ہوئے کہ اپنے سردار کو چھوڑ کر جنگل کی طرف فرار ہو گئے۔

میڈلین نے سوچا تھا کہ توپ کی آواز سُن کر آس پاس کے گاوؤں کے لوگ مدد کے لیے آجائیں گے، لیکن اس کی یہ اُمید پوری نہیں ہوئی، کہیں سے کوئی مدد نہیں آئی، شام کے وقت دور سے اُسے ندی میں ایک کشتی آتی دکھائی دی، لیکن اس کشتی میں کوئی مدد نہیں آرہی تھی اس میں تو مسٹر فامتین نامی ایک کسان اپنے بیوی بچوں کے ساتھ قلعے میں مہمان بننے کے لیے آرہے تھے۔

یہ دیکھ کر میڈلین ڈر گئی، اُسے لگا جنگلوں میں چھپے ڈاکو اُس کے مہمانوں کو مار نہ ڈالیں اس لیے اُس نے کاندھے پر بھاری سی بندوق اٹھائی اور دلیری سے قلعے سے باہر نکل آئی اور بے خوف ہو کر ندی کے کنارے پہنچ گئی اور اپنے مہمانوں کو حفاظت کے ساتھ قلعے میں لے آئی۔

لیکن اطلاع پا کر دوسرے قلعے کا افسر اپنے سپاہیوں کے ساتھ مسٹر ورچر کی مدد کے لیے پہنچ گیا۔ اس وقت تک میڈلین بھاگ دوڑ اور لیٹروں سے لڑائی کے بعد تھک کر چور ہو چکی تھی، دوسرے قلعے کے افسر کو اپنے قلعے کی حفاظت کا ذمہ سونپ کر وہ نڈھال ہو کر گر پڑی۔

آنے والے افسر نے اپنے سپاہیوں کی مدد سے ان سارے سپاہیوں کو آزاد کرا لیا جنھیں لیٹرے باندھ کر ڈال گئے تھے اور جو حرکت بھی نہیں کر سکتے تھے۔

آج دو ڈھائی سو سال گزر جانے کے بعد بھی کناڈا کی تاریخ میں میڈلین کا نام ایک بہادر لڑکی کے طور پر زندہ ہے، وہاں کے لوگوں نے کیوبیک شہر میں عقیدت کے طور پر میڈلین کا ایک مجسمہ بنوا کر لگا دیا ہے، جہاں وہاں کے لوگوں کے ساتھ دنیا بھر سے آنے والے سیاح بھی اس بہادر لڑکی کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

■

Anees Mirza
852, Chandni Mahal
Daryaganj
New Delhi - 110002

شمیم احمد صدیقی

میرے آگے بین نہ بجائیں

جناب عالی! آپ ہی کے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ''بھینس کے آگے بین بجائے، بھینس کھڑی پگرائے۔'' ظاہر ہے کہ میرے آگے بین بجانا اپنا وقت ہی ضائع کرنا ہے کیونکہ میں اپنے بھاری بھرکم جسم اور سر پر وزنی سینگوں کے ساتھ بین کی آواز اور پر ناگن کی طرح جھوم تو سکتی نہیں۔ بلکہ بین بجانے والے پر افسوس ہی کر سکتی ہوں۔ مجھے بھی خالق کائنات نے انسان کو زمین پر بھیجنے سے کئی ہزار برس پہلے دوسرے جانداروں کے ساتھ پیدا کیا تھا۔ اُس وقت میں جھنڈ کی شکل میں اپنے خاندان کے دس بیس چھوٹے بڑوں کے ساتھ جنگلوں میں رہتی تھی۔ جنگل میں بسنے والے دوسرے بڑے جانوروں کی طرح میں بھی بڑی خونخوار تھی اور اپنی بے پناہ جسمانی طاقت اور سینگوں کی مدد سے شیر کو بھی کھدیڑ دیتی تھی۔ انسان نے اپنی عقل سے میری خوبیوں کا احساس کیا۔ مجھ سے پیار جتایا اور اپنے پاس رکھ کر میرے کھانے پینے کا انتظام کیا تو میں نے بھی اپنا وحشی پن ختم کر دیا اور انسان کی ایسی خادم بن گئی کہ اب ایک چھوٹا سا بچہ بھی میری پیٹھ پر سواری کر لیتا ہے۔ وہ مجھے ہنکا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا کر کھونٹے سے باندھ دیتا ہے اور میرا دودھ بھی دُوہ لیتا ہے لیکن میرے کچھ بھائی بند اب بھی آسام، اڑیسہ، میسور، مدھیہ پردیش اور تمل ناڈو کے جنگلوں میں آزادانہ گھومتے پھرتے ہیں اور کبھی کبھار جنگل سے گزرنے والے انسانوں پر حملہ بھی کر دیتے ہیں۔ میری اوسط عمر لگ بھگ 20/ برس ہوتی ہے۔ میری قوتِ سماعت یعنی کسی آواز کو سُن کر اس کو پہچاننے کی صفت نیز قوت شامّہ یعنی کسی چیز کو سونگھ کر اس کے اچھے، بُرے ہونے کی صفت بہت تیز ہوتی ہے۔ اس لیے میں اپنے مالک کو اس کے قدموں کی ہلکی سی آہٹ سے ہی پہچان لیتی ہوں اور ناپسندیدہ کھانے کو سونگھ کر چھوڑ دیتی ہوں۔

انسان نے اپنی ہوشیاری سے میرا دودھ اور گوشت بھی حاصل کیا، میری کھال سے چمڑا تیار کر کے جوتے بنائے، میرے گوبر کو سکھا کر ایندھن کے طور پر استعمال کیا یا اس کی کھاد

بنا کر اپنی فصلوں کی غذا کا انتظام کیا اور موجودہ دور میں گوبر گیس بنا کر کھانا پکانے اور گھر کو روشن کرنے کا بھی اہتمام کرلیا۔ اتنا ہی نہیں میری ہڈیوں اور سینگوں سے کنگھے کنگھیاں اور گھریلو آرائش کی چیزیں بھی تیار کی جاتی ہیں۔ میرے نر بچوں کے بڑے ہونے پر اُن سے کھیت جوتنے اور مال برداری کی مشقت لی جاتی ہے۔ یوں تو میں یوروپ، امریکہ، برازیل، آسٹریلیا، افریقہ اور ایشیا کے تمام ملکوں اور علاقوں میں پائی جاتی ہوں لیکن میری سب سے زیادہ قدر دانی ایشیا میں ہوئی اور ایشیا میں بھی ہندوستان کے گجرات، پنجاب اور ہریانہ کے لوگوں نے میری بیحد خدمت گزاری کی جس کی وجہ سے اس وقت دنیا کے تمام ممالک میں ہندوستان ہی دودھ پیدا کرنے میں اوّل شمار ہوتا ہے۔ ہندوستان ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کے صوبہ ہریانہ کے ہسار ضلع میں دنیا کا سب سے بڑا بھینس تحقیقاتی ادارہ CIRB (سینٹرل انسٹی ٹیوٹ فار ریسرچ آن بفیلو) قائم ہے۔

دیگر دودھ دینے والے جانوروں کی طرح میں بھی سبزی خور ہوں، گھاس پھوس، اناج کے دانے یا اُن کا بھوسا، درختوں اور سبزیوں کے پتے وغیرہ ہی میری غذا ہیں لیکن میں اونٹ اور بکری کی طرح نیم کی پتیاں قطعی نہیں کھاتی۔ ہاں اونٹ، بکری اور گائے کی طرح میں غذا کھانے کے بعد اس کو فوراً معدہ یعنی پیٹ میں نہیں پہنچاتی بلکہ علاحدہ جمع کرتی ہوں۔ کچھ وقفہ بعد اطمینان سے اس غذا کو اچھی طرح چباتی ہوں یعنی جگالی کرتی ہوں اور پھر معدہ میں منتقل کرتی ہوں۔ میں عام طور پر 9/ماہ اور دس گیارہ دن میں ایک ہی بچہ کو جنم دیتی ہوں۔ ہاں کبھی کبھار دو بچے بھی جنم لیتے ہیں۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ بچے کی پیدائش ہی ماں کے تھنوں میں دودھ پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ میرا بچہ تو ایک وقت میں بمشکل آدھا لیٹر دودھ پیتا ہے لیکن مجھے پالنے والے انسان کو بہ آسانی صبح کے وقت چار سے چھ لیٹر اور شام کو دو سے چار لیٹر تک دودھ مل جاتا ہے۔ میرا دودھ کئی معنوں میں دوسرے جانوروں کے دودھ سے بہتر ہوتا ہے۔ چنانچہ میرے دودھ میں گائے کے دودھ کے مقابلے چکنائی (Fat) دوگنی ہوتی ہے۔ اسی طرح کیلشیم، میگنیشیم، پوٹاش اور فاسفورس نیز وٹامن اے(A)، بی(B) اور ڈی(D) کی مقدار بھی گائے کے دودھ کے مقابلہ کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ بکری کے دودھ میں بھی چکنائی، شکریات اور نمکیات کی مقدار بھینس کے دودھ سے کم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ میرے دودھ میں انسانی جسم کو نقصان پہنچانے والے کولسٹرول (Cholestrol) کی مقدار کم ہوتی ہے جبکہ بیماریوں کے جراثیم سے مقابلہ کرنے والے امیونوگلوبولین(Immunoglobulin) کی مقدار گائے کے دودھ سے زیادہ ہوتی ہے۔ جہاں تک غذائیت کا سوال ہے میرے سو ملی لیٹر دودھ سے سو کیلوریز جب کہ گائے کے سو ملی لیٹر دودھ سے محض ستر کیلوریز طاقت حاصل ہوتی ہے۔ میرے دودھ کی ان تمام خوبیوں کے باوجود خالق کائنات نے اپنی پاک کتاب میں انسان کے بچے کو دو برس تک ماں کا دودھ پلانے کی ہدایت کی ہے البتہ حکیم ڈاکٹر چھوٹے بچوں کو کم از کم سال بھر تک ماں کا دودھ پلانے کو ضروری کہتے ہیں اور بوڑھوں کو بھی بھینس کا دودھ زیادہ مقدار میں پینے سے منع کرتے ہیں کیونکہ زیادہ چکنائی کی وجہ سے ہضم کرنے میں دشواری ہوتی ہے اور دورانِ خون (Blood pressure)

بھی متاثر ہوتا ہے۔ بوڑھوں کے لیے دودھ کے مقابلہ چھاچھ پینا زیادہ مفید ہے۔

ہندوستان میں بھینس کے دودھ کی فراوانی کی وجہ سے یہاں کے باشندے اپنی زبان کی لذّت کے لیے میرے دودھ سے طرح طرح کی چیزیں تیار کرتے ہیں۔ اُن میں سے چند یہ ہیں:

دہی: دودھ اُبالنے کے بعد کسی پھیلے ہوئے مٹّی کے برتن میں کئی گھنٹے کے لیے چھوڑ دیا جائے تو ہوا میں موجود بیکٹریا کے اثر انداز ہونے سے وہ دہی کی شکل میں جم جاتا ہے۔ اس عمل میں تیزی لانے کے لیے دودھ میں تھوڑا دہی یا اس کا پانی اچھی طرح ملا کر جمانے کے لیے رکھ دیتے ہیں۔ دہی بغیر کوئی چیز ملائے یا بغیر کوئی عمل کیے بھی کھایا جاتا ہے اور شکر ملا کر یا لسّی بنا کر یا رائتہ اور کڑھی وغیرہ بنا کر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ گوشت اور مچھلی کے سالن کو لذیذ بنانے کے لیے بھی دہی کو شامل کیا جاتا ہے۔

مکھن اور چھاچھ: دہی کو اچھی طرح متھنے یا بلونے سے اس میں موجود چکنائی علاحدہ ہو کر اوپر تیرنے لگتی ہے جس کو نتھار کر الگ کر لیا جاتا ہے۔ یہ مکھن کی ابتدائی شکل ہوتی ہے۔ مکھن الگ کرنے کے بعد جو پانی ملتا ہے وہ مٹھا یا چھاچھ کہلاتا ہے۔ اس میں تھوڑی چکنائی کے علاوہ دودھ کے دیگر اجزا شکریات، نمکیات، وٹامن وغیرہ موجود رہتے ہیں۔ یہ ہر عمر کے لوگوں کے لیے بڑی مفید غذا ہے۔

گھی یا دیسی گھی: دہی متھنے سے دستیاب مکھن کو ہلکی آنچ پر پکانے سے صاف ستھرا بہتا ہوا گھی دستیاب ہوتا ہے جو سردی کے موسم میں جم جاتا ہے۔ اب سے لگ بھگ اسّی برس قبل وناسپتی گھی یعنی ڈالڈا وغیرہ ایجاد ہی نہیں ہوا تھا۔ اس وقت رفائنڈ آئل بھی چلن میں نہ آیا تھا۔ مالدار لوگ کھانا پکانے کے لیے دیسی گھی یا اصلی گھی ہی استعمال کرتے تھے جب کہ عوام اپنے علاقے میں زیادہ ہونے والے سرسوں، تل، مونگ پھلی یا ناریل کے تیل میں کھانا پکاتے تھے۔ یہ تمام تیل اور اصلی گھی

آج بھی چلن میں ہیں۔

ماوا یا کھویا: دودھ کو کسی بڑے پھیلے ہوئے برتن میں پکایا جائے اور پکانے کے دوران کفگیر وغیرہ سے ہلاتے بھی رہیں تو کچھ دیر بعد اس کا تمام پانی بھاپ بن کر اُڑ جاتا ہے اور آخر میں ایک سفید، چکنا، ٹھوس بچ جاتا ہے۔ یہ ماوا یا کھویا کہلایا ہے۔ اس کو برفی، قلاقند، پیڑا، حلوہ، گلاب جامن جیسی مٹھائیوں میں اور لذیذ سوئیاں، کھیر وغیرہ تیار کرنے میں بکثرت استعمال کرتے ہیں۔

چھینا اور پنیر: اگر اُبلتے دودھ میں تھوڑی پھٹکری ڈال دی جائے تو وہ اسفنج کی شکل میں پھٹ جاتا ہے۔ دودھ میں موجود تمام پروٹین اور زیادہ تر چکنائی، شکریات، نمکیات وغیرہ اس اسفنجی مادّہ میں ہوتے ہیں۔ کچھ اجزا پانی میں بھی رہتے ہیں۔ اس طرح حاصل ہوئے اسفنجی مادّے کو چھینا کہتے ہیں۔ اسی سے سفید بنگالی رس گلہ تیار کیا جاتا ہے۔ اس مادّہ کو کپڑے یا مخصوص سانچوں میں رکھ کر دبانے پر یہ مزید ٹھوس ہو جاتا ہے اور پنیر کہلاتا ہے۔ پنیر کو چاقو یا چھری سے کاٹ کر چھوٹے ٹکڑے بنا کر کسی چکنائی میں تل کر گوشت، مٹر، ٹماٹر وغیرہ کے ساتھ ملا کر پکاتے ہیں اور لذیذ سالن تیار کرتے ہیں۔

کنڈنسڈ ملک(Condensed milk): جن علاقوں میں تازہ دودھ آسانی سے دستیاب نہیں ہوتا وہاں دودھ مہیا کرانے کے لیے دودھ کو شکر کے ساتھ پکا کر خاصا گاڑھا کرنے کے بعد ٹن کے ڈبوں میں سیل بند کیا جاتا ہے اور بوقت ضرورت اس میں گرم پانی ملا کر دودھ بنالیا جاتا ہے۔ سعودی عرب، ملیشیا، انڈونیشیا، سنگاپور وغیرہ میں بیشتر لوگ کنڈنسڈ ملک سے ہی کام چلاتے ہیں۔

ملک پاؤڈر(Milk Powder): دودھ کو مخصوص قسم کی بجلی کی بھٹی (Electric Oven) میں اُوپر سے اِسپرے کی شکل میں نیچے گراتے ہیں۔ وہ نیچے آتے آتے سفید پاؤڈر میں بدل جاتا ہے، جس کو ٹن کے ڈبوں میں سیل بند کر دیا جاتا ہے۔ ضرورت پڑنے پر اُس کو گرم پانی میں حل کر کے دودھ تیار کر لیتے ہیں۔ جو مائیں کسی مجبوری یا محض فیشن پرستی میں بچے کو اپنا دودھ نہیں پلا سکتیں وہ اسی دودھ سے کام چلاتی ہیں۔

بھینس سے متعلق محاورے

انسان نے جس طرح بلّی، بکری، بندر وغیرہ کے ناموں کو استعمال کر کے محاورے بنائے ہیں اور اُن کو عام بول چال میں استعمال کرتا ہے اُس نے میرے نام کو بھی کچھ محاوروں میں استعمال کیا ہے۔ کچھ خاص محاورے یہ ہیں۔

بھینس کے آگے بین بجائے، بھینس کھڑی پگرائے: اس محاورے کی روح یہ ہے کہ جس طرح بھینس پر بین بجانے کا کوئی اثر نہیں ہوتا اسی طرح کسی نادان شخص سے دانائی کی بات کرنا یا اس کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کرنا بے سود ہے۔

جس کی لاٹھی اس کی بھینس: یہ محاورہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کوئی شخص اپنی طاقت کے زور سے کسی دوسرے کی چیز کو ہڑپ لیتا ہے۔

عقل بڑی یا بھینس: کسی شخص کی حماقت کو دیکھ کر یا بے سر پیر کی بے تکی بات سُن کر اُس پر طنز کرنے کے لیے یہ محاورہ استعمال کیا جاتا ہے۔

بھینس پانی میں ہے: یہ محاورہ تلنگانہ اور مہاراشٹر میں اس وقت بولا جاتا ہے جب تجارتی مال کو سامنے لائے بغیر کوئی تاجر اس کا سودا کرنا چاہتا ہے۔

گئی بھینس پانی میں: بھینس کی کھال میں پسینہ خارج کرنے کا نظام کمزور ہوتا ہے اس لئے اس کو گرمی بہت ستاتی ہے اور گرمی کے دنوں میں وہ زیادہ سے زیادہ تالاب یا نہر وغیرہ میں رہتی ہے۔ بڑی دقت سے پانی سے نکالی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ محاورہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کوئی ہوتا ہوا کام کسی وجہ سے ادھورا رہ جاتا ہے۔

اب آپ سے رخصت ہونے سے پہلے میں آپ کو بتادوں کہ بعض شعرائے کرام نے اپنی شاعری میں میرا ذکر کر کے میری عزّت افزائی کی ہے۔ چنانچہ اچل پور کے حیدر بیابانی نے کہا ہے کہ

کالی ہو یا بھوری بھینس   جس کی لاٹھی اُس کی بھینس
نادانوں کا کام پُرانا   بھینس کے آگے بین بجانا

طنز و مزاح کے شاعر طبّی سنبھلی نے کاہل ہندوستانیوں کا اس طرح مذاق اڑایا ہے۔

اُدھر روس اور امریکہ والے چاند تاروں پہ جارہے ہیں
اِدھر ہندوستانی ماشاء اللہ بھینسوں پر چڈّی سُکھا رہے ہیں

بھوپال کے بزرگ شاعر ظفر نسیمی کا فرمانا ہے کہ

رگھّو بھیّا تم نے کتنی سُندر پالی بھینس
سیدھی سادی بھولی بھالی کالی کالی بھینس
مکھن ماوا دودھ مٹھا، گھی چھینا اور پنیر
چارہ کھا کر کیا کیا چیزیں دینے والی بھینس

■

Dr. Shamim Ahmad Siddiqui
Naseem Manzil, Madah Ganj
Police Chowki, Seetapur Road
Lucknow - 226020
Email: dr.sas46@yahoo.in

جوابات

سید اسد تابش

میری ہمدرد..

جب سے زویا ٹیوشن پڑھنے آنے لگی تھی، شاذیہ ٹیچر کی دوگنا تفریح ہوگئی تھی۔ زویا چار سال کی بھولی بھالی، معصوم اور خوبصورت بچی تھی، جو منہ پھلائے ٹیوشن پر آتی۔ دوسری طرف شاذیہ کے دادا جان تھے جو ویسے تو ہر وقت چڑ چڑ کرتے رہتے تھے مگر چھوٹے بچوں کی ٹیوشن کلاس کھولنے سے مزید چڑنے لگے تھے۔

شاذیہ ٹیچر، زویا کے پھولے پھولے منہ سے کمروں میں گھومتے رہنے اور دادا جان کا ضبط کر کے غصہ دبانے والی کیفیت دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہوتی رہتی، دیگر بچوں کو پڑھاتے ہوئے شاذیہ کبھی زویا کو تو کبھی دادا جان کو دیکھتی جاتی ٹیچر پہلے پہل زویا کو تعلیمی ماحول سے مانوس کرانا چاہتی تھی اس لیے پڑھائی کا زور اس پر نہ ڈالتی کبھی زویا کو گود میں بٹھاتی، کبھی چاک لانے کا کہتی، مختلف رنگوں کے چاک کے بکس میں رکھے چاکس کی مدد سے زویا کو رنگوں کی پہچان کراتی۔ شاذیہ ٹیچر کے پاس زویا، سب سے کم عمر Student تھی۔ وہ کمروں میں گھومتی، چکنے فرش پر پھسلتی، گھر کے دیگر افراد میں بھی زویا کافی پسند کی جاتی تھی مگر ایک دادا جان تھے جنھیں دیکھتے ہی زویا سہم جاتی اور ٹیچر کہہ کر چلاتی۔ اگر ٹیچر کے آنے میں دیر ہو جاتی تو کھڑے کھڑے رونا شروع کر دیتی۔

دادا جان غصہ ضبط کر کے کہتے ''گھر پر بچے سنبھلتے نہیں ہیں، تو بھیج دیتے ہیں ٹیوشن پر... ارے میں کہتا ہوں، اتنی کم عمر میں پڑھتا ہے کوئی بھلا...؟ تعلیم وغیرہ کچھ نہیں ہے، یہ سب حرص ہے... دکھاوا ہے... دکھاوا!...... ہمارے زمانے میں کہاں ہوتے تھے یہ KG اور Convents.... آخر شاذیہ کے زویا کو لے جانے کے بعد ہی دادا جان خاموشی کا گھونٹ لیتے۔ جیسے جیسے دن گزرنے لگے زویا ٹیوشن والے گھر کے ہر فرد کی چہیتی بن گئی۔ وہ تھی بھی بہت بھولی بھالی اور معصوم۔ شاذیہ ٹیچر کے پاس کم ہی بیٹھتی۔ شاذیہ کی چھوٹی بہن عالیہ اسے اپنے پاس بٹھا لیتی۔ اپنے موبائل سے اس کی تصویریں لیتی۔ کبھی کلیپ کلیپ کرتی، کبھی جمپ (Jump)، کبھی اسکارف اُڑھا کے نماز پڑھنا سکھاتی تو کبھی زویا کی کمزور سی آواز میں دعا ''لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری'' پڑھانے لگتی۔ غرض زویا کا تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔

اِدھر زویا کا تعلیمی سلسلہ چل نکلا ادھر دادا جان کا معمولی حادثے میں پاؤں فریکچر ہوگیا۔ اس طرح وہ گھر میں ہی بیٹھ گئے۔ سارا دن گھر میں پڑے رہنے سے مزید بدحواس اور چڑچڑے ہوگئے مگر کہتے ہیں نا بزرگ آدمی، گھر کے Vaste Material کی طرح ہوتا ہے۔ دادا جان کو اپنی اس بے بسی کا بھی احساس تھا اس لیے وہ خود کو روکے رکھتے۔ ایک مصیبت ہی کیا کم تھی جو غصہ کر کے گھر کو سر پر اٹھا لیتے۔ باتھ روم جاتے

ہوئے ٹیوشن پڑھ رہے بچوں کی طرف جھانکتے، مسکراتے۔ ان کی نگاہیں زویا کو تلاش کرتیں۔ آخر ایک روز عالیہ سے پوچھ ہی لیا ''بھئی زویا ٹیوشن آتی ہے یا نہیں..... مجھے نظر نہیں آتی... دادا جان زویا نے چار دن کی چھٹی لے رکھی ہے۔ اپنے ممی پپا کے ساتھ کہیں شادی میں گئی ہے۔ کل آئے گی۔ عالیہ نے بتایا۔ اچھا اچھا، تبھی تو میں بولوں،..... ہاں ہاں... ٹھیک ہے ٹھیک ہے... کہتے ہوئے دادا جان نے لیٹتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں۔

اگلے دن جب زویا ٹیوشن آئی تو شاذیہ ٹیچر نے بھی اور عالیہ نے بھی شور مچایا... زویا بہت خوبصورت فراک پہن کر آئی تھی۔ تھوڑی دیر ٹیوشن روم میں بیٹھنے کے بعد زویا ادھر ادھر گھومنے نکل گئی۔ اس کمرے سے اس کمرے میں جب اسے دادا جان نظر آئے اور ان کے پلاسٹر لگے پاؤں پر نظر پڑی تو وہ حیران ہوگئی۔ خاموش سے کن انکھیوں سے دادا جان کو دیکھنے لگی۔ دادا جان بھی نرم پڑگئے۔ بڑی معصوم بچی ہے، تم لوگوں سے بہت گھل مل گئی ہے... یہ بچے تو کوڑے کاغذ ہوتے ہیں... کہتے ہوئے دادا جان اپنے واکر کی طرف مڑے اور زویا کو کہنے لگے۔ ارے میری بیٹی کہاں گئی تھیں؟ دادا جان واکر کے سہارے آگے بڑھ رہے تھے اور زویا ان کے پیچھے پیچھے پھدک رہی تھی، گویا ان کی نقل کررہی تھی۔ دادا جان نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو زویا ایسے بھاگے جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔

دوسرے دن تو زویا نے سب کو حیران کردیا۔ ٹیوشن پر آئی تو اس کے دائیں ہاتھ کو بینڈیج لپٹی ہوئی تھی۔ شاذیہ ٹیچر کے پاس بستہ رکھا اور سیدھے دادا جان کے کمرے میں آگئی۔ دادا جان کے سامنے ہاتھ لے جاکر دکھانے لگی۔ دادا جان نے بھی حیرت سے پوچھا ''کیا ہوگیا ہے ہماری پری بیٹی کو......؟ کس نے مارا ہے...؟ یا کہیں گر پڑے ہو...؟ کہاں گر گئے... آپ...؟

زویا روہانسی صورت بنا کر، آستین چڑھاتے ہوئے کہنے لگی ''یہاں بھی ہے''

''ارے شاذیہ!!!! بھئی کیا ہوا ہے زویا کو...؟'' دادا جان نے اونچی آواز سے شازیہ سے پوچھا، شاذیہ، وہاں سے کوئی جواب دینے کی بجائے دوڑتی ہوئی دادا جان کے پاس آئی اور ہنستے ہوئے زویا کو گود میں اٹھا لیا۔ دادا جان مزید حیران ہوگئے۔ شاذیہ نے زویا کو ٹیوشن کے کمرے میں بٹھایا۔ کچھ دیر تک باتیں کرنے کی آوازیں آتی رہیں۔ دادا جان سننا چاہتے تھے مگر سن نہیں پارہے تھے۔ وہ پھر زور سے چلاتے ہوئے کہنے لگے۔ ارے کوئی مجھے بھی تو بتاؤ...''

شاذیہ نے آکر جو انکشاف کیا وہ سب کو چونکا دینے والا تھا۔ اس نے دادا جان کو مخاطب کرکے کہا ''دادا جان! زویا کے ساتھ اس کے ممی پاپا بھی آئے تھے۔ وہ بتا رہے تھے کہ زویا نے جب سے آپ کو پلاسٹر لگا ہوا دیکھا ہے، گھر پر جاکر سب کو ستانے لگی۔ بار بار ستایا اور جب اس کے ہاتھ پر معمولی سی خراش آئی تو آپ ہی کی طرح پلاسٹر باندھنے کی ضد کرنے لگی۔ اس نے بتایا کہ گھر پر آپ ہی کی طرح چل بھی رہی تھی۔''

دادا جان نے کہا ''یعنی زویا میری سب سے بڑی اور سب سے اچھی ہمدرد ہوئی۔'' سب ہنسنے لگے۔ دادا جان کی آنکھیں بھی چمک گئیں۔ ■

Syed Asad Tabish
Barsi Takli
Distt : Akola - 444401 (Maharashtra)

عبدالناصر

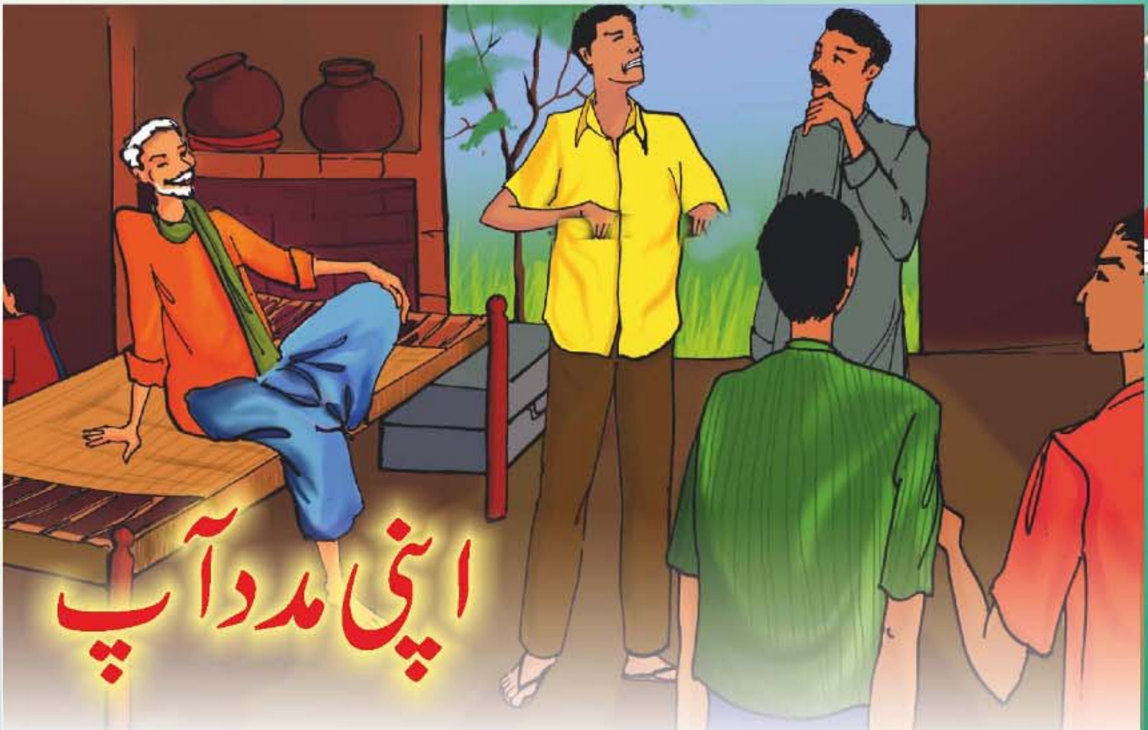

اپنی مدد آپ

بات پرانے زمانے کی ہے۔ کسی ملک میں چار دوست رہا کرتے تھے۔ ان میں سے پہلا کافی پڑھا لکھا، دوسرا کم پڑھا لکھا، تیسرا کاریگر اور چوتھا ایک عالم دین تھا۔ ان سبھی کی راہیں جدا تھیں لیکن ان سب کے باوجود ان کی دوستی مثالی تھی۔ پورے علاقے میں جو بھی ان کے بارے میں سنتا وہ ان پر رشک کیا کرتا تھا۔

ایک دفعہ زمانے کی گردش سے تنگ آ کر ان چاروں نے تجارت کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق تجارتی سفر کے لیے کسی تجارتی قافلے کے ساتھ شامل ہونا ضروری تھا۔ اس کے لیے قافلہ کے سردار سے اس کی اجازت لینی پڑتی تھی۔ جب ان چاروں نے اپنے علاقے سے نکلنے والے قافلے کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو انھیں معلوم ہوا کہ ایک قافلہ اگلے ماہ کی پہلی تاریخ کو روانہ ہوگا۔ اب ان چاروں دوستوں نے اپنی اپنی مرضی کا مال تجارت کے لیے خریدا اور قافلے میں شامل ہو گئے۔

سفر شروع کرتے وقت اس علاقے کا موسم نہایت خوشگوار تھا۔ اس لیے سفر کی تکان سے وہ لوگ بڑی حد تک محفوظ رہے۔ اس وقت قافلہ کا قیام اکثر و بیشتر سرایوں میں ہوتا تھا۔ جہاں مسافروں کو رات گزارنے کے علاوہ سواری کے جانوروں کے لیے بھی چارے پانی کا انتظام رہا کرتا تھا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کہیں حکومت کی طرف سے تو کہیں علاقہ کے عزت دار لوگوں کی طرف سے اس قسم کی سرائیں قائم کی جاتی تھیں اور اسے کار ثواب خیال کیا جاتا تھا۔ یہاں سے مسافر تازہ دم ہو کر اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ ہوتے تھے۔

جب یہ قافلہ کئی منزلیں طے کر چکا تو ایک مقام پر انھیں ایک اندھے آدمی سے ملاقات ہوئی۔ ان لوگوں نے اس کے

ساتھ کافی اچھا برتاؤ کیا اور رخصت ہوتے وقت ان کی مالی مدد بھی کی۔ اندھے شخص نے ان کے اس سلوک سے خوش ہوکر انھیں کافی دعائیں دیں۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ خدا آپ لوگوں کی تمام جائز مرادیں پوری کرے گا۔ البتہ شرط یہ ہے کہ آپ لوگ اپنا راز کہیں نہ کہیں اور اپنے رب سے خود بھی مدد کی درخواست کرتے رہیں۔ اس کے بعد قافلہ آگے کی جانب روانہ ہوگیا۔

کئی منزلیں طے کرنے کے بعد انھیں ایک سرائے میں ایک لنگڑا شخص ملا۔ ان لوگوں نے اس کی بھی مدد کی، ساتھ ہی چلتے وقت اس سے ان کی دلی خواہش بھی دریافت کی۔ اس کو سن کر لنگڑے شخص نے کچھ ہچکچاتے ہوئے کہا ''آپ لوگوں کی رحم دلی کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ آپ لوگ بڑے شریف لوگ ہیں۔ محتاجوں اور بیکسوں کی حاجت پوری کرنی خوب جانتے ہیں۔ اس کے لیے خدا آپ لوگوں کی مدد ضرور کرے گا۔ مجھے بھی اوپر والے نے کئی خوبیوں سے نواز رکھا ہے مگر پاؤں سے مجبور بنایا ہے۔ اگر آپ لوگوں کی مرضی ہو تو کیا میں آپ لوگوں کے ساتھ شریک سفر ہوسکتا ہوں؟ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی ہر مشکل وقت پر مدد کروں گا، اور راستے کے دشمنوں سے بھی بچاؤں گا۔ ایک مدت سے میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ میں بھی دنیا کے سفر پر نکلوں لیکن کبھی اس کا موقع ہاتھ نہ آیا۔ اب آپ لوگوں سے ملاقات کے بعد میرے دل میں یہ خواہش پھر سے جاگ اٹھی ہے کہ اگر آپ لوگوں کی رضامندی ہو تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں۔ یہ کہنے کے بعد وہ چند لمحے کے لیے رکا۔ پھر کہنے لگا۔ میں نے اس طرح کی گزارش پہلے بھی چند لوگوں سے کی تھی لیکن ان لوگوں نے میرا کافی مذاق اڑایا تھا۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں آپ لوگ بھی میرا مذاق نہ اڑائیں...''

لنگڑے کی باتیں سن کر دوسرا دوست ذرا سی دیر کے لیے ٹھٹک گیا لیکن منھ سے کچھ نہ بولا۔ اب تیسرے دوست کی باری تھی۔ اب اس نے خوش دلی سے لنگڑے کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا ''اگر آپ واقعی ایماندار اور مخلص شخص ہیں تو آپ کو اپنے ساتھ لے جانے میں کوئی پریشانی نہیں۔ ویسے مجھے بھی تو قافلے کے سرپرست کے علاوہ اپنا ایک سرپرست بھی چاہیے۔ کیوں نہ آپ ہمارے ساتھ ہوجائیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ میں پہلے قافلے کے سردار سے اس کے بارے میں اجازت لے لوں۔ اگر اس نے اجازت دے دی تو میں آپ کو اپنے ساتھ شریک کرلوں گا اور دوران سفر آپ کا پورا پورا خیال بھی رکھوں گا۔ اس خیال کی تائید چوتھے ساتھی نے بھی کردی۔ آخر میں قافلہ کے سردار نے بھی اس بات کو قبول کرلیا۔

اب لنگڑے شخص کی دلی مراد برآئی اور وہ قافلے میں شامل ہوگیا۔ قافلہ حسب معمول آگے کی جانب بڑھتا رہا اور لوگ اپنے سامان کی خرید و فروخت کرتے رہے۔ اس میں انھیں نفع بھی ہوتا رہا جس سے وہ کافی مطمئن تھے۔ اس کی وجہ سے ان کا زیادہ تر وقت ہنسی خوشی گزر رہا تھا اور وقت گزرنے کا احساس بھی نہ ہوتا تھا۔ پورے دو ماہ گزر جانے کے بعد ایک صبح قافلے کے سردار نے اعلان کیا کہ اب ہم لوگ اپنے سفر کی آخری منزل تک پہنچ گئے ہیں۔ ہمارا سفر یہیں ختم ہوتا ہے۔ اب مناسب ہے کہ سبھی لوگ واپس اپنے گھر لوٹ چلیں۔ اس لیے میری گزارش ہے کہ آپ لوگ اپنی ضرورت کے لیے

ضروری سامان اور دوست و احباب کے لیے کچھ تحفے تحائف خریدنا چاہیں تو اس کی خریداری کر سکتے ہیں۔

''جی بہت اچھا'' کئی آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئیں۔

اگلے دن تمام قافلے والوں نے اپنا زیادہ وقت ضروری اشیا اور تحائف خریدنے میں گزارا۔ ان دوستوں نے اس موقعے پر لنگڑے شخص کا خاص طور پر خیال رکھا اور اس کی پسند کی ہوئی چیزیں خرید کر اس کے حوالے کیں۔ اتنے دنوں تک ساتھ ساتھ رہنے کے نتیجے میں اب چار کی جگہ پانچ دوست بن چکے تھے۔ اب وہ آپس میں کھل کر باتیں کرنے لگے تھے۔

آج قافلے کی واپسی کا دن تھا۔ اس لیے قافلہ کا سردار برابر لوگوں کو ہدایتیں دے رہا تھا کہ وہ اپنے سامانوں کو قرینے سے باندھ لیں تا کہ اگلی صبح اسے سواریوں پر لادنے میں آسانی ہو۔ اتفاق کی بات اس رات ایک شخص اچانک بیمار ہو گیا۔ اس کی بیماری کی خبر سے سبھی حیران و پریشان تھے۔ اس موقعے پر لنگڑا شخص مدد کرنے سامنے آیا اور دیسی طریقۂ علاج سے اس نے بیمار شخص کو ٹھیک کر دیا۔ اب وہ سفر کرنے کے قابل ہو چکا تھا۔ قافلہ سردار کو بھی اس خبر سے کافی خوشی ہوئی کہ قافلے میں ایک ایسا آدمی موجود ہے جو وقت پر ایک حکیم کا کام بھی کر سکتا ہے۔ اس لیے اس نے اس کی کھلے دل سے تعریف کرتے ہوئے شکریہ بھی ادا کیا۔

اب قافلے میں شامل تمام افراد وطن لوٹنے کی خوشی میں امنگ سے بھرے ہوئے تھے۔ ایک دو منزلوں تک ان کا یہ سفر کافی خوشگوار رہا۔ اس کے بعد موسم کی تبدیلیوں نے اپنا اثر دکھانا شروع کیا۔ کبھی موسم اتنا گرم ہو جاتا کہ لو چلنے لگتی اور کبھی اتنی زیادہ بارش ہوتی کہ ہر طرف جل تھل ہو جاتا اور سارے راستے کیچڑ سے بھر جاتے کہ ان سے گزرنا مشکل ہو جاتا۔ موسم کی اس تبدیلی سے قافلے کے لوگ بیمار پڑنے لگے جن کی دیکھ بھال قافلہ سردار اور لنگڑے شخص کے ذمے تھی۔ اس موقعے پر لنگڑا شخص پوری ایمانداری کے ساتھ اپنا فرض ادا کر رہا تھا۔ خدا خدا کر کے جب ان پریشانیوں کا خاتمہ ہوا تو پھر سے قافلے کا سفر شروع ہوا۔

اب قافلہ ایک غیر آباد و ویران علاقہ سے گزر رہا تھا جہاں دور دور تک پانی نہیں تھا لیکن قافلے کے سردار نے اس پریشانی کو دور کرنے کا پہلے سے ہی انتظام کر رکھا تھا۔ اس نے کئی مشکوں میں پانی جمع کر لیا تھا تا کہ قافلہ والے پیاس کی شدت سے محفوظ رہیں۔

بچو! تمھیں یہ جان کر کافی حیرت ہوگی کہ پہلے زمانے میں بھی دور دراز کا سفر غیر محفوظ تھا جس طرح آج سڑکوں، ٹرینوں اور بسوں کے سفر میں چوری، ڈکیتی کی وارداتیں ہو جاتی ہیں اور لوگ پریشان ہو کر اپنے گھر لوٹ آتے ہیں ٹھیک اسی طرح پہلے بھی لوٹ مار کے واقعات سفر کے دوران پیش آتے رہتے تھے۔ اس قافلے کے ساتھ بھی آدھی منزل طے کرنے کے بعد ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ جب چاروں جانب سے قزاقوں نے قافلے کو گھیر لیا۔ اس اچانک مصیبت سے ہر شخص خوف زدہ تھا۔ یہاں تک کہ قافلہ کا سردار بھی ڈرا سہا لگتا تھا۔

اس مشکل گھڑی میں چاروں دوستوں کے دل میں بھی عجیب عجیب خیال آ رہے تھے، لیکن ان تمام حالات کے باوجود اگر کوئی شخص مطمئن تھا تو وہ لنگڑا شخص تھا۔ آخر ان چاروں دوستوں میں سے ایک نے ہمت کر کے اس سے پوچھ ہی لیا

کہ ”بھائی آخر تم اتنے مطمئن کس طرح ہو؟ کیا تمھیں حالات کی خبر نہیں ہے؟“

یہ سن کر لنگڑے نے جواب دیا ”میں خطرے کا سامنا کرنے کے لیے پہلے سے تیار ہوں۔“

”آخر وہ کس طرح؟“ پڑھے لکھے شخص نے فوراً دوسرا سوال کر دیا۔

”وہ ابھی بتاتا ہوں۔“ لنگڑے شخص نے بڑے اطمینان سے جواب دیا ”آپ لوگ صرف اتنا کریں کہ ہر طرح کے خوف کو اپنے دلوں سے نکال باہر کر دیں اور ہمت و ارادے سے قزاقوں کے سردار کا استقبال کریں۔ پھر بھی یہ مسئلہ حل کر دوں گا۔ اگر وہ پہلی کوشش میں مان گیا تو بہتر ہے ورنہ ہمیں دوسرا طریقہ اپنانا ہوگا۔“

اس کی سرسری باتوں سے مولانا صاحب نے کہا ”حضرت یہ وقت پہیلیاں بجھانے کا نہیں بلکہ مصیبت سے نجات دلانے کا ہے۔“

”ٹھیک ہے میں اب دوسری ترکیب سے آپ لوگوں کو بچاتا ہوں۔“ لنگڑے شخص نے اسی اعتماد سے کہا۔

کچھ ہی دیر میں قافلہ والوں پر حملہ شروع ہوگیا اور چاروں طرف افراتفری پھیل گئی۔ اس ناامیدی کے عالم میں اس لنگڑے شخص میں نہ جانے کہاں سے اتنی طاقت آگئی کہ وہ اپنی بیساکھیوں کی مدد سے تیز قدموں سے چلتا ہوا سیدھے قزاقوں کے سردار کے قریب پہنچ گیا اور پوری طاقت سے چلا کر بولا ”ٹھہر جاؤ۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم لوگ تعداد میں کتنے ہو اور یہاں کس مقصد سے آئے ہو؟“ پھر وہ بغیر رکے بولتا ہی چلا گیا۔ ”میں تم لوگوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے پیچھے پیچھے ایک شاہی دستہ بھی چل رہا ہے جسے ہماری

نگرانی اور حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ اگر آپ لوگ اپنی بھلائی چاہتے ہیں تو فوراً یہاں سے واپس لوٹ جائیں۔ ورنہ.....''

اب قزاقوں کے سردار نے پوچھا'' ورنہ کیا.....؟''

''یہ آپ لوگوں کو کچھ ہی دیر میں معلوم ہو جائے گا، اسے کہنے کی ہمیں ضرورت نہیں۔'' اس دوران اس کے چہرے کی رنگت یہ ظاہر کر رہی تھی کہ اسے کسی طرح کا ڈر یا خوف ہرگز نہیں ہے۔

قزاقوں کا سردار اس کے جملوں کو سن کر حیران رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا جواب دے اور نہ دے۔ پھر بھی اس نے اسے کئی بار اوپر سے نیچے تک گھور کر دیکھا لیکن کچھ نہیں بولا۔

دوسری طرف لنگڑے شخص نے آگے کہنا شروع کیا ''سردار صاحب! میں آپ کی عزت کرتا ہوں۔ اس لیے ابھی آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس قافلے میں بھی چند فوجی شامل ہیں۔ وہ بھی تازہ دم ہیں جو آخر دم تک لڑنا جانتے ہیں۔

لنگڑے کی اعتماد سے بھری باتیں سبھی حیرت سے سن رہے تھے لیکن مصلحتاً خاموش تھے۔ اچانک سردار کے دل میں کچھ خوف پیدا ہو گیا اور اس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور چند لمحے کے بعد اپنے ساتھیوں کو واپس لوٹ چلنے کا اشارہ کیا۔ قافلے میں شامل لوگوں کی حیرت کا اس وقت کوئی ٹھکانہ نہ رہا جب سارے قزاق ایک ایک کر کے واپس چلے گئے۔

قزاقوں کو واپس لوٹتے دیکھ کر سبھی کے چہروں سے کھوئی ہوئی رونق واپس لوٹنے لگی۔ رفتہ رفتہ ان کی ہنسی بھی لوٹ آئی۔ اس وقت قافلہ سردار بھی خود چل کر لنگڑے شخص کے پاس آیا اور احسان بھرے انداز میں بولا'' میں آپ کا بڑا احسان مند ہوں کہ اس مشکل گھڑی میں آپ نے نہ صرف ہمارا بلکہ پورے قافلے کی لاج رکھ لی اور چٹکی بجاتے ہوئے سارا معاملہ رفع دفع کرا دیا۔ میرے خیال میں بھی کبھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ یہ معاملہ اتنی جلد ختم ہو جائے گا۔ اس کے لیے میں اللہ کا شکر گزار ہونے کے ساتھ آپ کا بھی احسان مند ہوں۔''

یہ سن کر لنگڑے نے جواب دیا کہ ''بھائی میں تو ایک معمولی سا انسان ہوں۔ جو کچھ کرتا ہے وہ اللہ کی ذات ہے۔ اسی پر ہم سبھی کا یقین ہے لیکن کچھ لوگوں میں اس کی بڑی کمی ہے جس کا نتیجہ ہے کہ ہم چھوٹی چھوٹی باتوں میں الجھ کر رہ جاتے ہیں اور اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش ذرا بھی نہیں کرتے۔ اس طرح کی زندگی سے تو موت ہی بہتر ہے۔ البتہ ایک خاص بات جو ہم سبھی کو برابر یاد رکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ دنیاوی زندگی میں موت ایک زندہ حقیقت ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ بہادروں کے پاس ایک دوست بن کر آتی ہے اور بزدلوں کے پاس اپنی دہشت لے کر آتی ہے۔ اب مولانا صاحب آپ ہی بتائیے کہ اگر کچھ غلط کہہ رہا ہوں تو مجھے ٹوک دیں اور میری اصلاح کر دیں۔ میں نے جب قزاقوں کے سردار سے یہ کہا کہ ایک شاہی دستہ ہماری نگرانی کے لیے ساتھ ساتھ چل رہا ہے تو اس وقت میرا یہ کہنا پوری طرح غلط نہ تھا۔ دوبار جب میں نے یہ کہا کہ ہمارے قافلے میں بھی چند فوجی شامل ہیں تو بھی میرا کہنا درست تھا۔ اب آپ تمام لوگ خود ہی فیصلہ کریں کہ ہمارا حقیقی رب تو صرف اللہ ہے اور ہم اس کو چھوڑ کر کہاں کہاں بھٹک رہے ہیں؟ اسے تو ہماری سب سے زیادہ فکر ہے۔

مولانا صاحب نے اس کی ہاں میں اپنا سر ہلایا اور بولے ''بیشک وہی ہم سب کا رب ہے۔ ہر حال میں ہمیں خدا کے حکم کو ماننا چاہیے۔''

یہ سنتے ہی لنگڑے شخص نے بہت اطمینان کے ساتھ کہنا شروع کیا ''جس دن میں نے اپنا ایک پاؤں گنوایا تھا اس دن میری خود اعتمادی ختم ہوگئی تھی۔ اس وقت میں اپنے آپ کو دنیا کا سب سے محتاج آدمی سمجھتا تھا لیکن آج کے واقعے کے بعد میری خود اعتمادی پھر سے لوٹ آئی ہے۔ اس وقت میں خود کو سب لوگوں کے برابر محسوس کر رہا ہوں۔ یہ میری زندگی کا سب سے حسین پل ہے۔ ساتھ ہی مجھے اس بات کی خوشی بھی ہے کہ میں آج آپ لوگوں کے کام آسکا۔''

یہ سنتے ہی سب سے پہلے قافلہ کے سردار نے اسے گلے سے لگالیا اور یہ عہد کیا کہ ''وہ ہمیشہ اس پر عمل بھی کریں گے اور اپنے سارے فیصلے نہایت غور وفکر کے بعد کریں گے۔ جذبات کے بہاؤ میں کیے جانے والے فیصلے ہمیشہ صحیح نہیں ہوا کرتے۔ اس طرح وہ اپنی مدد آپ بھی کریں گے اور دوسروں کی بھی مدد کریں گے۔ ساتھ ہی ہر مشکل وقت میں موجودہ حالات کا سامنا کرنے کو تیار رہیں گے۔''

پھر یہ قافلہ اپنی منزل کی جانب ہنسی خوشی روانہ ہوگیا۔ اب ان چاروں دوستوں کو بھی سفر کے دوران اپنی مدد آپ کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آگیا تھا۔ ختم شد۔

■

Abdul Nasir
C-29, Okhla Vihar
Jamia Nagar, Okhla
New Delhi - 110025

اشتیاق احمد راشد

کورونا

سبق جگ کو سکھانا ہے — کورونا تو بہانہ ہے
تری اوقات کیا انساں — خدا کو یہ دکھانا ہے
مرے ہیں آدمی لاکھوں — ابھی بھی کچھ بتانا ہے
خدا ہم سے جو روٹھا ہے — اسے کیسے منانا ہے
کرو توبہ گناہوں سے — کرم کا وہ خزانہ ہے
غریبوں کی مدد کر کے — ذرا نیکی کمانا ہے
نہ تھی فرصت زمانے کو — کہ فرصت میں زمانہ ہے
نہ بوئے بیج نفرت کے — کہ مشکل میں زمانہ ہے
عبادت کر کے ہی راشد — ہمیں رب کو منانا ہے

■

Ishtiaque Ahmed
3, P M Bustee, Second Lane
Bye Lane Shibpur
Howrah - 711102
Mob.: 8240162221

ننھی خواہش

عطیہ رئیس

پیاری پیاری صبح ہے یہ
سورج جاگا، اندھیرا بھاگا
نرم نرم ہوا کے جھونکے
ننھے منّے نیند سے جاگے
آنکھ کو ملتے، نیند بھگاتے
صبح صبح اسکول کو جاتے
کتنے بھاری بستے اٹھاتے
ذہن میں چلتا جی کے، سائنس
ورک بک، کرافٹ اور ڈرائنگ
گلاب سا نرم بچپن ان کا
ماں کی گود تھا پہلا مدرسہ
اب ہے انگلش مِس کا خدشہ
وین میں بیٹھے صبح سویرے
آتے جاتے خواہش کرتے
کاش ہم مزدور کے بچے ہوتے
سویرے اٹھ کر کھیلتے رہتے
کیسی طلب یہ کیسی چاہت
مزدور بچہ حسرت سے ان کو تکتا
کاش میں اس وین میں ہوتا

■

Dr. Atiya Rais
3871 Kalan Mahal, Darya Ganj
Delhi - 110002

لاتے پانی

ضیاء الرحمن جعفری

پاپا دور سے لاتے پانی
کہیں نِلکٹ نہ پاتے پانی
وہ پانی بھی صاف کہاں ہے
گندا جل ہی یہاں وہاں ہے
نہیں زمیں کے اندر جَل ہے
سوکھی ندی، نہر اور کل ہے
پَر یہ جو ہے بدتر حالت
ہم نے خود ہی لی ہے مصیبت
ہم نے پانی خوب بہائے
قیمت اُس کی جان نہ پائے
کاٹے پیڑ اور پودے ہر پَل
پھر برسے یہ کیسے بادل
نہیں دور وہ دن آئیں گے
ہم پیاسے ہی مرجائیں گے

■

Dr. Zeaur Rahman Jafri
High School Mafi+2
Via-Asthawan
Dt- Nalanda - 803107 (Bihar)

صفیہ بانو اے شیخ

عزم

رشیدہ اس روز اسکول سے جلدی گھر آ گئی اور اپنی امی سے کہنے لگی امی جان! آج ہمارے اسکول میں ہمارے استاد جناب قاسم علی سر نے گھر کام کرنے کو ایک سبق دیا ہے۔ امّی نے پوچھا رشیدہ آپ کے استاد نے کون سا سبق دیا ہیں؟ رشیدہ کہنے لگی کہ امّی ہمیں زندگی میں کوئی کام بغیر مقصد کے نہیں کرنا چاہیے۔ رشیدہ کی امّی کہنے لگی کہ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ تم کہنا کیا چاہتی ہو گھڑی بھر میں کہتی ہو استاد نے گھر کام کرنے کو ایک سبق دیا ہے اور کبھی کہتی ہو ہمیں زندگی بغیر مقصد کے نہیں گزارنی چاہیے؟ رشیدہ کہنے لگی آج ہمارے استاد جناب قاسم علی سر نے ہمیں بتایا کہ زندگی میں کوئی نہ کوئی نیک کام کرنے کا عزم کرنا ہوگا اور یہی ہمارا گھر کام بھی ہے۔ اب آپ ہی بتایئے امّی میں کون سا نیک کام کروں؟ امّی کہنے لگی بس اتنی سی بات۔ رشیدہ کہنے لگی امّی یہ کوئی چھوٹی بات نہیں اور نہ ہی نیک کام کرنا آسان ہوتا۔ رشیدہ کی امّی کہنے لگی دیکھو تم سچ بولنا۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا نیک کام ہے۔ رشیدہ نے اپنی امّی کے کہنے پر سچ بولنے کا عزم لیا۔

رشیدہ دوسرے روز اسکول گئی تو رشیدہ کی دوست آپس میں ایک دوسرے سے بات چیت کرنی لگیں اور ایک دوسرے سے کل دیے گئے گھر کام کے تعلق سے پوچھنے لگیں تم نے کون سا کام کرنے کا عزم لیا ہے؟ فریدہ نے کہا میں نے اپنے دادا دادی کی خدمت کرنے کا عزم لیا کیونکہ اب وہ بوڑھے ہو چکے ہیں میں ان کا ہر کام اپنا حکم سمجھ کر اور اپنا عزم سمجھ کر کرتی رہوں گی۔ تبھی ناہیدہ نے کہا میں نے تو اپنے چھوٹے بھائیوں کا خیال رکھنے کا عزم لیا۔ میرے چھوٹے بھائی میری ذمے داری ہے وہ مجھ سے ہی کچھ نہ کچھ سیکھیں گے۔ غزالہ کہنے لگی میں نے تعلیم یافتہ لڑکی بننے کا عزم لیا ہے؟ تبھی صبا بول پڑی یہ کون سا بڑا عزم ہے؟ اور اس میں ایسی کیا خاص بات ہے؟ تبھی

رشیدہ نے جواب دیتے ہوئے کہا تعلیم یافتہ بننا بھی کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ آج ہماری عمر چھوٹی ہے کل ہم نہ جانے کہاں ہوں گے جب اس نے یہ عزم لیا ہوگا تو کوئی سوچ سمجھ کر ہی لیا ہوگا۔ غزالہ کہنے لگی کہ میری امّی پڑھی لکھی نہیں ہے اس لیے وہ مجھے اسکول کے دیے گئے گھر کام کرنے میں مدد نہیں کر پاتی ہے۔ میں پڑھ لکھ کر آنے والی نسل کے لیے رہبر بننا چاہتی ہوں۔ میں ٹیوشن میں بھی جا نہیں سکتی ابّو کی اتنی آمدنی نہیں ہے۔ میری امّی کہتی ہے اگر لڑکی تعلیم یافتہ ہو تو وہ گھر خوشحال رہتا ہے رشیدہ نے غزالہ کی طرف داری کیا کہ ساری دوست اس سے خفا ہونے لگیں اور رشیدہ سے بڑے جوش میں کہنے لگیں کہ رشیدہ تم نے کون سا عزم لیا ہے؟ رشیدہ نے کہاں سچ بولنے کا۔ ساری لڑکیاں ہنس پڑیں اور کہنے لگیں یہ بھی کوئی عزم ہوا۔

رشیدہ کا منہ چھوٹا ہو گیا تھا اتنے میں گھنٹی بج گئی اور ہم سب کلاس روم میں چلے گئے۔ ایک بعد ایک پیریڈ آتے جاتے گئے اتنے میں ہمارے اردو کے استاد جناب قاسم علی سر آگئے۔ سب لڑکیاں چونک پڑیں تو کچھ لڑکیاں خوش ہو رہی تھی۔ رشیدہ گھبرا سی گئی۔ اس کے ذہن میں اس کے عزم پر لڑکیوں کی ہنسی بار بار گھومنے لگی تھی۔ استاد جناب قاسم علی سر نے سبھی لڑکیوں سے باری باری سوال کیا کہ تم نے زندگی میں کون سا عزم اختیار کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ کسی نے کہا میں نے بڑی ہو کر ڈاکٹر بننے کا عزم لیا ہے تو کسی نے کہا میں نے آپ کی طرح اردو کی استاد بننے کا عزم لیا ہے، تو کسی نے کہا میں نے گھر کے بزرگوں کی خدمت کرنے کا عزم لیا ہے، تو کسی نے کہا تعلیم یافتہ خاتون بننے کا عزم لیا ہے، کسی نے کہا میں نے صفائی رکھنے کا عزم لیا، تو کسی نے کہا میں نے لوگوں کا ادب و احترام کرنے کا عزم لیا، تو کسی نے کہا میں نے گھر کام وقت پر کرنے کا عزم لیا ہے، تو کسی نے کہا میں نے امّی ابّو کا کہنا ماننے کا عزم اختیار کیا ہے تبھی رشیدہ کی باری آئی تو پہلے پہل یک دم ہو کر رہ گئی اس کے چہرے پر پسینہ آنے لگا۔ استاد جناب قاسم علی سر نے پوچھا دیکھو گھبرانے سے کام نہیں چلے گا تم نے جو کچھ بھی عزم لیا ہے وہ کہہ دو۔ رشیدہ نے جیسے ہی کہا کہ میں نے سچ بولنے کا عزم لیا ہے ویسے ہی کلاس روم کی ساری لڑکیاں ہنس پڑیں۔ استاد جناب قاسم علی سر نے کہا بچیو! خاموش ہو جاؤ۔ اس کا عزم کوئی معمولی عزم نہیں ہے۔ تم نے جتنے بھی عزم بتائے ان تمام پر یہ عزم سب سے بھاری ہے۔ لڑکیوں نے پوچھا وہ کیسے؟ استاد جناب قاسم علی سر کہنے لگے تم سب نے کوئی نہ کوئی عزم لیا ٹھیک ہے لیکن ہر عزم کرنے میں ایمانداری ہونی چاہیے کہ نہیں۔ لڑکیوں نے ایک جواب ہو کر کہا... ہاں سر...! ایمانداری ہونی چاہیے اور وہ ایمانداری سچ سے شروع ہوتی ہے۔ آپ

سبھی نے کہا میں فلاں فلاں عزم لیتی ہوں لیکن رشیدہ کا عزم سب پر بھاری ہے سچ ہماری زندگی میں ہر برائی کو ختم کرتا ہے۔ سچ ہمیں برے اعمال کرنے سے روکتا ہے۔ سچ ہمیں نیک اور اچھا انسان بناتا ہے۔ سچ ہمیں اچھا شہری بناتا ہے۔

استاد جناب قاسم علی سر کہنے لگے کورٹ میں تم نے دیکھا ہوگا کہ وہاں بھی جھوٹ کے خلاف سچ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ سچ بولنا ہماری زندگی کا وہ عزم ہے جو ہمیں ہمارے بچپن سے لے کر عمر کے آخری حصے تک کام آتا ہے۔ سچ ہماری روزمرہ کی زندگی میں استعمال ہوتا ہے۔ آج کے اس ڈیجیٹل، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے دور میں سچ بولنے کا عزم لینا آسان نہیں ہوتا۔ بچیو! تم اس بات کو تب سمجھوں گی جب تمھیں تجربہ ہوگا۔ رشیدہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ سر نے پوچھا تم کیوں رو رہی ہو، تم نے تو سب سے اچھا سچ بولنے کا عزم اختیار کیا ہے رشیدہ روتے ہوئے کہتی ہے کہ میری ماں نے مجھے یہ عزم اختیار کرنے کو کہا تھا تبھی استاد بول پڑے دیکھو بچیو! رشیدہ نے تو آج سے ہی اپنے عزم پر کام کرنا شروع کر دیا اس نے سچ بتایا کہ اس کی امّی نے اسے یہ عزم اختیار کرنے کو کہا تھا۔ سچ ہمیشہ ناپسند کیا جاتا ہے مگر سچ کبھی نہیں بدلتا۔ ہمارے بڑے ہماری رہنمائی کرتے ہیں اور ہمیں ان کی اس ایمانداری کو سچائی کے ساتھ اپنانا چاہیے۔ تمام بچیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے ہمیں زندگی میں کچھ عزم ہمیشہ اختیار کر لینے چاہیے جیسا کہ رشیدہ نے سچ بولنے کا عزم لیا۔ ہم سب کی زندگی بہت مختصر ہے اور اس مختصر زندگی کو اس قدر گزاریں کہ آنے والی نسل در نسل یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے۔ بچیوں کے معاملے میں اکثر والدین کمزور پڑھ جاتے ہیں مگر جن بچیوں نے عزم لے کر زندگی بتانے کا فیصلہ لیا، وہ کبھی کمزور نہیں پڑی، دنیا کے لیے مثال بن کر رہ گئی۔ آپ نے بادشاہ سلطان التمش کی بیٹی رضیہ سلطان کے بارے میں تاریخ میں پڑھا ہوگا کہ رضیہ سلطان نے حکومت کرنے کا عزم لیا اور وہ کامیاب بھی ہوئی۔ کلاس روم میں خاموشی چھا گئی۔ استاد جناب قاسم علی سر بتائے جا رہے تھے کہ اتنی میں پریڈ ختم ہونے کا الارم بج گیا۔ ساری لڑکیوں نے خوش و خرم ہو کر ایک ساتھ تالیاں بجانے لگیں۔ ساری لڑکیاں ایک بلند آواز ہو کر کہنے لگیں ہم آج سے ابھی سے سچ بولنے کا عزم اختیار کرتی ہیں۔

■

Dr. Safia Bano A Shaikh
C- Ground Floor Tajpalace
Kumbharwada -380001
Jamalpur Ahmedabad(Gujarat)
Email : shaikhsufiyabanu@gmail.com

جوابات

(اردو زبان کا جادو)

(12) بھاگے ہوئے فوجی

(1) ٹ (2) ڈ (3) خ

■

ماخذ: اردو زبان کا جادو (پارٹ 1)، ادارہ، **سنہ اشاعت:** تیسری طباعت 2009، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

طارق سہراب غازی پوری

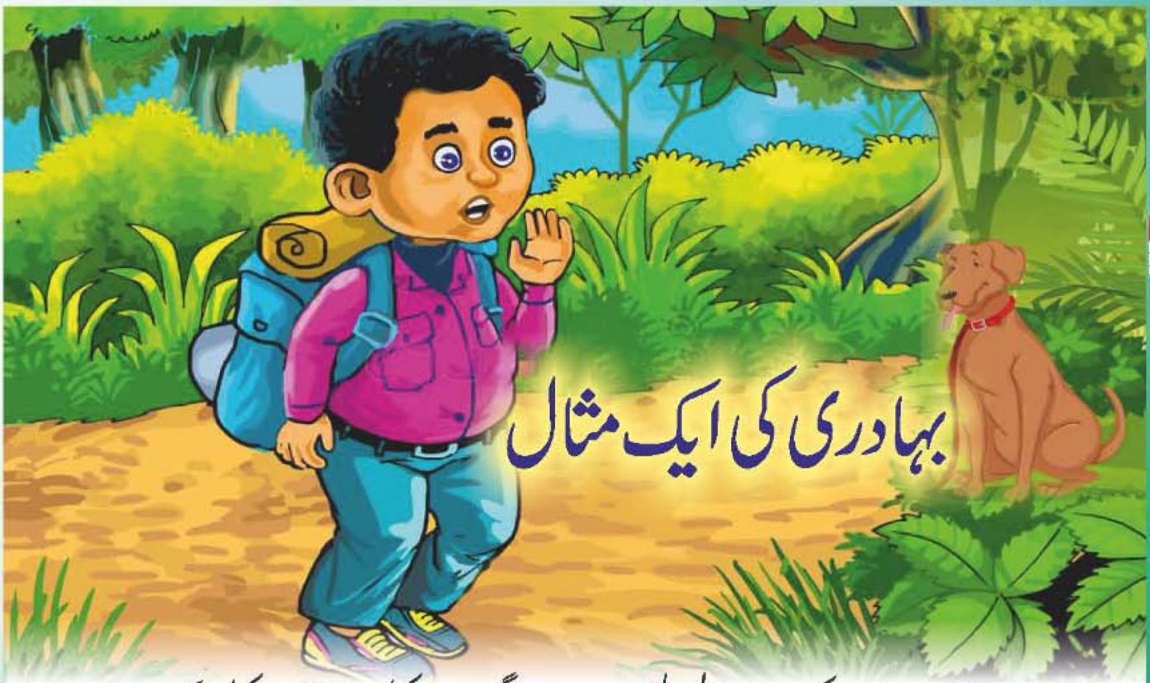

بہادری کی ایک مثال

دنیا میں متعدد مقامات پر بہادری کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، لیکن اکثر مثالیں ایسی ہیں جن کا تعلق نوجوانوں سے یا بوڑھے لوگوں سے ہوتا ہے۔ آج ہم آپ کو ایک ایسی کہانی سنا رہے ہیں جس کا تعلق ایک بہت ہی چھوٹی عمر کے بچے سے ہے۔ وہ ایک خراسانی بچہ ہے اور جس کا نام ہے عبیدالرحمٰن۔ اس کے ماں باپ نے اس کے بچپن میں اسے ہمت اور بہادری کی تعلیم دی۔ آج کل کی ماؤں کی طرح اسے بلی یا کتے سے نہیں ڈرایا۔ ہمارے ملک میں اکثر مائیں اپنے بچوں کو یہ کہہ کر کہ شرارت مت کرو ورنہ کتے یا بلی آکر کاٹ لیں گے، ڈراتی ہیں۔ بہت سی مائیں شروع سے ہی اپنے بچوں کو دیگر جانوروں یا چیزوں سے ڈرا کر رکھتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ بچے جب بڑے ہوتے ہیں تو ڈرپوک ہوتے ہیں یا ان کے اندر کسی نہ کسی کا خوف طاری رہتا ہے۔

کہانی کی شروعات اس طرح ہوتی ہے کہ عبیدالرحمٰن اپنے گھر سے اسکول جا رہا تھا۔ اسکول کے راستے میں جاتے وقت اسے ایک جنگل سے گزرنا پڑتا تھا۔ جب وہ اپنے محلّہ سے جنگل کی حدود میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ ایک کتا اس کے سامنے سے آرہا تھا۔ اس وقت وہ اکیلا تھا۔ دوسرے بچے ہوتے تو کتے سے ڈر کر بھاگ جاتے لیکن عبیدالرحمٰن کتے کو دیکھ کر بھاگا نہیں اور نہ ہی اس پر خوف طاری ہوا۔ کتے بھی عجب جانور ہیں، اسے اکیلا پا کر وہ کتا اس پر حملہ آور ہونے کے لیے آگے بڑھا۔ جیسے ہی وہ کتا بھوں بھوں کرتے ہوئے عبیدالرحمٰن کی طرف بڑھا عبیدالرحمٰن نے اپنے بوٹ جوتا جسے وہ پہنا ہوا تھا، کا سہارا لیتے ہوئے اور اپنے پیروں کو حرکت میں لاتے ہوئے کتے کو دو لاتیں زبردست طریقے سے ماریں۔ نتیجتاً وہ بھونکنے والا کتا جو عبیدالرحمٰن پر حملہ آور ہوا تھا گھائل ہوگیا اور الٹے منہ واپس ہوگیا۔ اسی دوران پولس کی ایک گاڑی وہاں آکر اچانک رکی۔ اس گاڑی میں ایک پولس آفیسر اپنے

کہانی

معاون پولس کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے وہاں اپنی گاڑی رکوا کر بچے کو گاڑی میں بٹھا لیا اور بچے کی بہادری پر اس قدر خوش ہوا کہ اسے خوب شاباشی دی۔ بچے سے پوچھ تاچھ کے بعد پولس آفیسر کو پتہ چلا کہ بچہ منسلک شہر کے اسلامیہ اسکول میں تیسری جماعت کا طالب علم ہے تو پھر کیا تھا۔

جس وقت پولس آفیسر کی گاڑی اسکول کی حدود میں داخل ہوئی تو اسکول انتظامیہ کے ممبروں کو وہاں کے اساتذہ کرام نے یہ سمجھا کہ شاید کچھ سنگین معاملہ ہے، ہوسکتا ہے کہ کسی تفتیش یا انکوائری کے لیے پولس والے آ رہے ہوں۔ پولس گاڑی جیسے ہی اسکول کے گیٹ کے پاس رکتی ہے۔ انتظامیہ کے لوگ پولس آفیسر معہ اس کے معاون پولس کو اسکول کے پرنسپل روم میں بڑے احترام کے ساتھ لے آئے۔ پولس آفیسر کے ہمراہ وہ بچہ (عبیدالرحمٰن) بھی تھا لیکن اسکول والے سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ آخر ان کے اسکول کا یہ بچہ پولس آفیسر کے ساتھ کیوں ہے؟

بہرکیف اسکول انتظامیہ کے لوگ پولس آفیسر کے ساتھ پرنسپل روم میں بیٹھ گئے اور ان لوگوں نے اپنے سبھی اساتذہ سے کہا کہ آپ لوگ جاکر اسکول احاطے میں اسمبلی کے پروگرام کو آگے بڑھائیں۔ واضح ہو کہ ابھی اسمبلی ہوئی نہیں تھی، اسمبلی پانچ منٹ کے بعد شروع ہونے والی تھی۔ اساتذہ کرام جب پرنسپل آفس سے اسمبلی احاطے کی طرف روانہ ہوگئے تو پرنسپل روم میں پولس آفیسر سے ان کے آنے کی وجہ دریافت کی گئی۔ تب پولس آفیسر نے انتظامیہ اور پرنسپل صاحب کو مختصراً اپنے لیے ہوئے بچے یعنی عبیدالرحمٰن کی بہادری کی وہ تمام باتیں بتائیں جو انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں۔ پرنسپل صاحب کی خوشی کی انتہا نہ رہی کیونکہ اس بچہ کے بہادرانہ کارنامے کی وجہ سے ان کے اسکول کو کریڈٹ مل رہا تھا۔ خاطر تواضع کے بعد انتظامیہ اور پرنسپل صاحب کی جانب سے پولس آفیسر کو اسمبلی میں شرکت کرنے کی زحمت دی گئی۔ پولس آفیسر کو اسکول کا ڈسپلن بہت ہی اچھا لگا، وہ اس دن اسکول اسمبلی میں شریک ہوئے اور دوران اسمبلی پرنسپل کی اجازت سے اسٹیج پر تشریف فرما ہوکر عبیدالرحمٰن کے کارنامے کا تذکرہ کیا۔ اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اور یہ بتاتے ہوئے کہ ملک کو ایسے ہی بہادر جیالوں کی ضرورت ہے، پولس آفیسر نے بچے کو جسے وہ بہادر بچے کے نام سے موسوم کر رہے تھے، پانچ ہزار روپے بطور انعام عطا کیے۔ اس سے اسکول کے تمام بچوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ پولس آفیسر کے جانے کے بعد اسکول کی انتظامیہ سمیت تمام اساتذہ اور طلبا نے چھوٹے اور ننھے منے عبیدالرحمٰن کو ڈھیر ساری مبارکباد دی۔ اگلے دن اسکول نے اپنے اسپیشل پروگرام میں عبیدالرحمٰن کے ماں باپ کو مدعو کیا اور پھر انھیں ان کے بچے کے بہادر کانامے کی بدولت انعامات سے نوازا گیا۔

بیٹے کی بہادری پر عبیدالرحمٰن کے والدین نے بتایا کہ ہم نے اپنے بچے کو کتا بلّی سے کبھی نہیں ڈرایا اور نہ ڈراتے ہیں۔ بچوں کی زندگی میں ولولہ انگیزی، ہمت اور بہادری کیسے آئے ہم اس کے لیے انھیں اپنے بہادروں کی کہانیاں بھی سناتے ہیں۔

■

Tarique Sohrab Gazipuri
B-2, Mujeeb Bagh
Jamia Millia Islamia
New Delhi - 110025

اردو زبان کا جادو

بارہویں قسط

اردو کا جادو

پیارے دوستو! 'بچوں کی دنیا' آپ سب کا اپنا رسالہ ہے۔ ہماری کوشش رہتی ہے کہ رسالے میں زیادہ سے زیادہ دلچسپ اور کارآمد تحریریں شائع کی جائیں۔ اِس رسالے کی اشاعت کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی زبان 'اردو' کو فروغ دیں اور زیادہ سے زیادہ لوگ اس زبان کو سیکھیں۔ کسی بھی زبان کو سیکھنے کے لیے اگر اس میں کھیل اور مزے کو شامل کرلیا جائے تو سیکھنے میں دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ ہم نے اردو زبان کے لسانی کھیلوں پر مشتمل ایک سلسلہ شروع کیا ہے جو قومی اردو کونسل سے شائع کتاب 'اردو زبان کا جادو' سے لیا گیا ہے۔ امید ہے کہ آپ سب اس سلسلے کو پسند کریں گے۔ (ادارہ)

اِس ذہنی آزمائش کے جوابات اِسی شمارے میں آپ کو مل جائیں گے۔

(12) بھاگے ہوئے فوجی

مقصد : حروف کے مختلف گروپ کی پہچان

ہدایت : ہم شکل حروف کے تین گروپ دیے گئے ہیں، ہر گروپ میں ایک ایک حرف چھوڑ دیا گیا ہے، غائب حرف بھگوڑا فوجی ہے، تصویروں میں ان حروف کو پہچانیے اور انھیں ان کے گروپ میں پہنچا دیجیے۔

کھلاڑی: 2 وقت: 3 منٹ نمبر: ہر حرف کے لیے 1

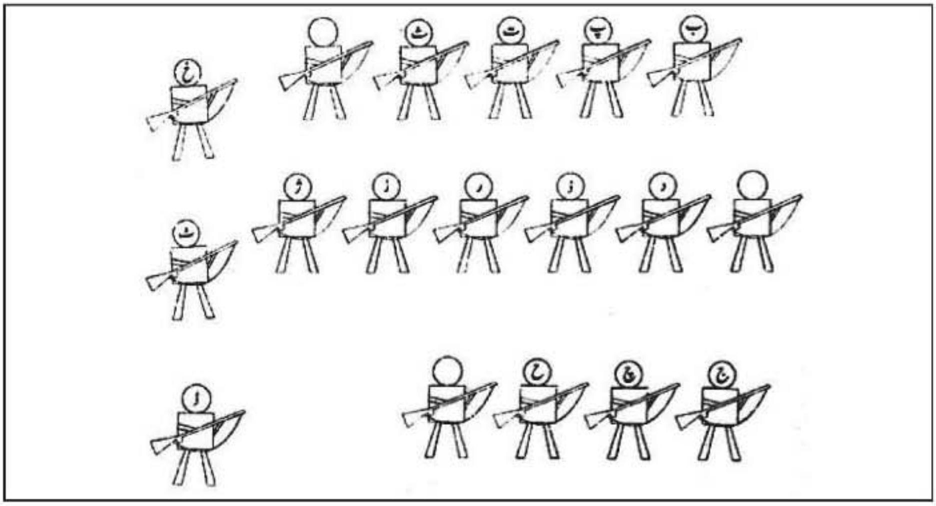

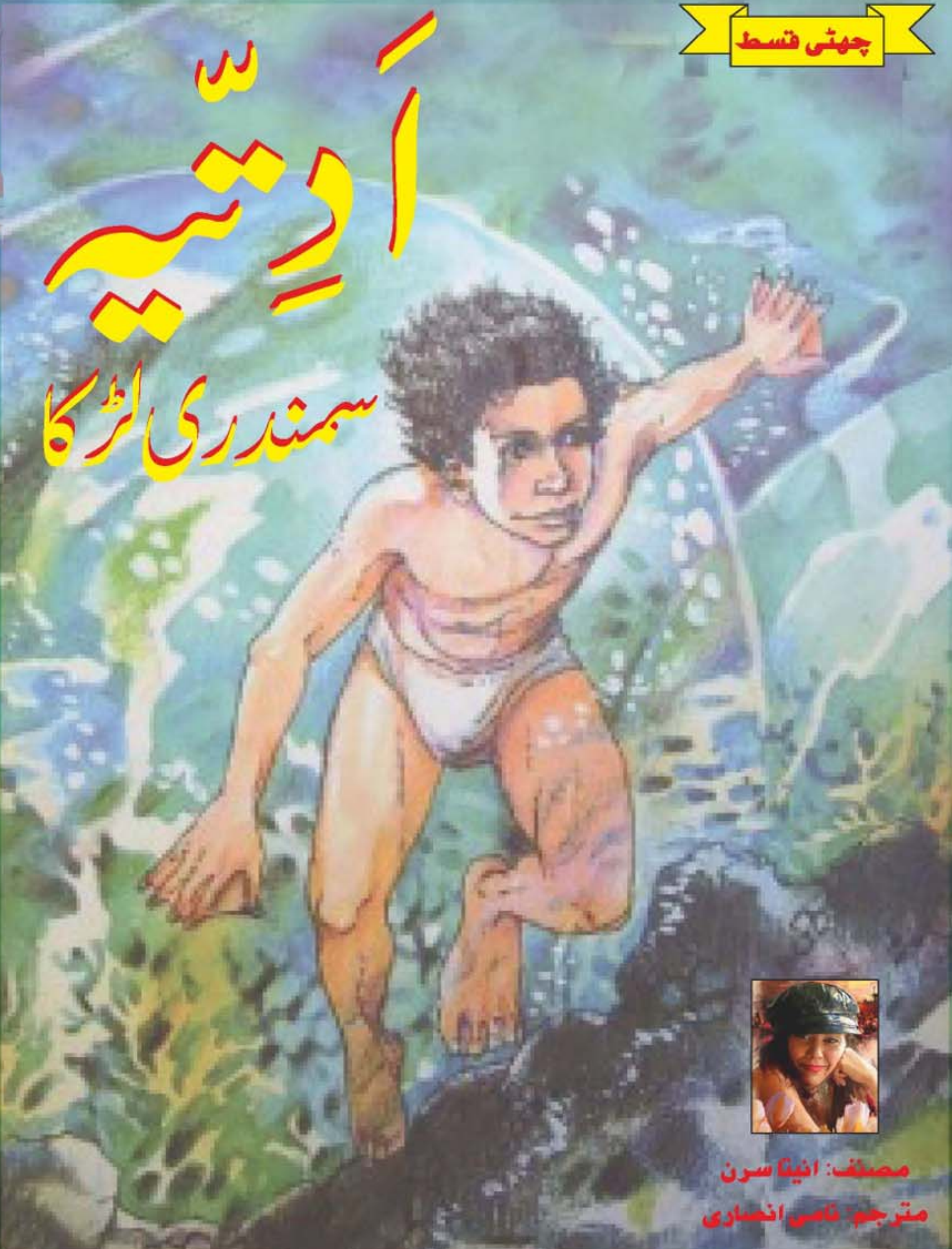

چھٹی قسط

اَدِتّیہ

سمندری لڑکا

مصنف: انیتا سرن
مترجم: نامی انصاری

پروفیسر سین سمندر اور سمندری مخلوقات پر ریسرچ کررہے ہیں۔ انھوں نے اپنے جین سے ایک سمندری انسان تیار کیا تھا جو آدھا انسان اور آدھا ڈولفن ہے۔ جو انسانوں کی طرح بات کرتا ہے۔ ڈولفن کی باتیں سن سکتا ہے۔ انہیں جواب دے سکتا ہے، اس انوکھی مخلوق کا نام ادتیہ ہے۔ پروفیسر سین نے سمندر کی گہرائی میں دفن راز اور ڈولفن سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے اسے بنایا ہے۔پندرہ ڈولفن مچھلیوں نے طویل سفر شروع کیا تو ادتیہ ان مچھلیو ں کی 'لیڈر کی' کی پیٹھ پر بیٹھ کر سمندری سفر پر روانہ ہوگیا۔ شکاری موٹربوٹ سے بچتے ہوئے یہ سبھی لوگ آسٹریلیا پہنچ جاتے ہیں۔ ایک دن انہیں ڈاکوؤں کا ایک جہاز سمندر کی تہہ میں نظر آتا ہے۔ اس جہاز کے کیپٹن کی لاش کے ہاتھ میں ایک لاکٹ تھا جسے ادتیہ نے دیکھا۔ اس لاکٹ کے اندر سے ایک کاغذ نکلتا ہے جس میں اس شخص کا اپنی بیوی کے لیے پیغام ہوتا ہے۔ ادتیہ اُسے پڑھتا ہے اور لاکٹ کو وہیں چھوڑ دیتا ہے۔ بہت سی ڈولفن مچھلیاں ادتیہ کے گرد جمع ہوجاتی ہیں۔ کی نامی ڈولفن مچھلی ادتیہ کے پاس آتی ہے اور سمندر کے بارے میں بہت سی باتیں بتاتی ہے جس سے سمندر، زمین اور ان سے متعلق بہت سے اسرار سامنے آتے ہیں۔ آپ نے پڑھا کہ دو سفیدفام کشتی میں نمودار ہوتے ہیں اور ڈولفین ان سے ادتیہ کوبچانے کے لیے اپنے گھیرے میں لے لیتی ہے۔ وہ پانی میں جال ڈالتے ہیں جس کے باعث 'انکی' ڈولفن میں پھنس جاتی ہے اور زخمی ہوجاتی ہے۔ اس اثنا میں ادتیہ سمندر کے بہت سے عجائبات دیکھتا ہے۔اچانک اس کی نظر نارنجی رنگ کی طشتری پرپڑتی ہے اور وہ اس کی حقیقت جاننے کی کھوج میں لگ جاتا ہے۔گذشتہ قسط میں آپ نے پرنس اٹلان، ادتیہ، بادل دوست، کی اور شہزادی اٹلیا کی ملاقات ملاحظہ کی۔ پودے نما کیڑے مکوڑوں، ڈولفن سے دوچار نیز پرمودا کے تکون مندر کی داستان پڑھی۔ اب آگے

کی اور بچہ

کی اور اس کی ساتھی ڈولفنیں ناچتی اور کھیلتی ہوئی، ہوائی جزیرے کے ساحل پر ایک قدرتی جھیل کے نیلگوں پانیوں میں پہنچ گئیں۔ انھوں نے ایک آدمی اور ایک جوان عورت کو دیکھا جو ایک بچے کو جھیل کی طرف لا رہے تھے۔ ''انائس!'' آدمی نے بچے کے پاس جھکتے ہوئے کہا ''اپنا منہ کھولو اوراپنا نام پکارو'' ''انائس۔آ آ... '' لڑنے کے مشکل سے کہا اوراس کے چہرے پر تناؤ پیدا ہوگیا۔

''ٹھیک ہے اچھے بچے! کیا یہ جگہ تمھارے کلاس روم سے بہتر نہیں؟'' بچے نے سر ہلایا۔اس کے گھنگھریالے بال آگے پیچھے جھولنے لگے۔

''آگے آؤاور کہوانائس، میں تمھیں ڈولفن کے ساتھ تیرنے دوں گا۔'' بچے کا چہرہ کھل گیا۔وہ پانی کے اندرڈولفنوں کو تیرتے دیکھ کر مسکرایا۔ اسے یقین تھا کہ ڈولفنیں بھی مسکرا رہی ہیں۔وہ ایک چٹان کے کنارے پانی میں پیر لٹکا کر بیٹھ

گیا۔ اس کا دل خوشی سے بھر گیا تھا۔ کی تیر کر اس کے پاس پہنچ گئی۔ بچے نے اس کے پیار کو محسوس کیا، جیسے کہ وہ اس سے گلے مل رہی ہو۔ کی نے اپنا انگوٹھا آہستہ سے بچے کے پیروں کو چھوا دیا۔ عورت غور سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

''انائس!'' اس نے بچے کے اوپر جھکتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ ''انا... انا! بچے نے کی کے چکنے جسم کو آہستہ سے چھوتے ہوئے کہا۔ عورت نے بچے کو اپنی گود میں بھر لیا اور پیار سے اس کا منہ چومنے لگی۔ پھر اس نے بچے کو آہستہ سے پانی میں اتار دیا۔ کی نے اس کے نیچے آ کر اس کو ذرا سا اوپر اٹھا دیا۔ ''اناس اناس'' بچہ سیٹی بھری آواز میں پکار اٹھا۔

''ہم لوگ ٹھیک وقت پر یہاں پہنچ گئے'' آدمی نے عورت سے مخاطب ہو کر کہا۔

''ایسا لگتا ہے کہ ڈولفنیں بچوں کے پاس پیار، شفا اور انرجی کی لہریں بھیجتی ہیں۔ ڈولفن ریسرچ سینٹر کا خیال ہے کہ ڈولفنیں ہمیشہ ان لہروں پر قدرت رکھتی ہیں۔ احساس کی یہ اونچی سطح اس وقت نمودار ہوتی ہے جب ہم گیان دھیان میں ڈوبے ہوتے ہیں یا کوئی خوب صورت چیز بنا رہے ہوتے ہیں۔'' شاید یہی وجہ ہے کہ ڈولفنیں ہمیشہ مسکراتی رہتی ہیں۔'' عورت نے غور سے ڈولفنوں کو دیکھتے ہوئے کہا جو اب بچے کے اردگرد اکٹھی ہو رہی تھیں۔ لیکن اپنی سانسوں پر کنٹرول کیے ہوئے تھیں کہ کہیں بچہ اس کی آواز سے ڈر نہ جائے۔ ''ان کی خوشیوں کا یہی راز ہے۔ 15 کروڑ برسوں میں ان کا دماغ ترقی کی اس حالت کو پہنچا ہے۔ دماغ کا وہ حصہ جو تخلیق کرتا ہے۔ آدمیوں کے مقابلے میں ڈولفنوں کا زیادہ بڑا ہوتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہم سے زیادہ حساس اور ٹیلی پیتھک ہوتی ہیں۔ ان کے خیالات انسانوں کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے پہنچتے ہیں۔''

کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ ہم انسان یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہی دنیا میں سب سے عقل مند ہیں۔ کیونکہ ہمیں یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ ڈولفنیں کس طرح سوچتی ہیں۔'' عورت نے جواب دیا۔ یہ رحم دلی میں بھگوان کی طرح ہوتی ہیں۔ وہ ہمیں نقصان پہنچا سکتی ہیں لیکن کبھی نہیں پہنچاتیں۔ اس وقت بھی نہیں جب وہ بے حس انسان کے ہاتھوں زخمی بھی ہو جاتی ہیں۔''

''اس کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔ ٹیلی پیتھی اور میوزک۔ وہ میوزک کا جواب دیتی ہیں۔ بعض وقت تو وہ خود بھی گانے والے کے سر سے سر ملانے کی کوشش کرتی ہیں۔'' تمھارا مطلب یہ ہے کہ وہ میوزک کی نقل کر سکتی ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں وہ کسی گانے میں خود اپنا سر بھی ملا سکتی ہیں۔ میں ایک آدمی کو جانتا ہوں جو اپنا گٹار اور ہائیڈروفون (پان کا فون) لے کر ایک کشتی میں ڈولفنوں کے قریب تک جایا کرتا تھا۔ وہ کچھ دیر تک اپنا گٹار بجاتا تھا اور کوشش کرتا تھا کہ اس کی ڈولفنوں کی آواز کا نوٹ بھی شامل ہو جائے۔ پھر یہ ہوا کہ ڈولفنیں بھی اس کی میوزک کا جواب اپنی کلک اور وھسل کی آواز میں دینے لگیں۔ اس پر شاید ہی کسی کو یقین آئے۔''

''اناس، اناس، اناس'' بچہ چلایا۔ اس وقت وہ ایک ڈولفن کی پیٹھ پر سوار تھا۔

''میرے پاس تمھارا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں'' عورت نے کہا ''یہ پہلا موقع ہے کہ بچے نے اپنا نام تقریباً ٹھیک ٹھیک پکارا ہے۔'' ''ڈولفن! تمھارا بہت بہت

شکریہ! بچے کو اس کی پیٹھ سے اٹھاتے ہوئے عورت نے کہا اور اس کی ناک پر پیار سے ایک ہلکا سا چپت رسید کر دیا۔

ادتیہ کی تیسری آنکھ

”کیا آپ نے سنا ہے کہ کی نے ایک ایسے بچے کو شفا دی ہے جو اپنا نام نہیں لے سکتا تھا۔“ ادتیہ نے پرنس اٹلان کو بتایا جو بڑے ہال میں اپنے تخت پر براجمان تھا۔ ”بادل دوست مجھے سب چیزیں پہنچا دیتا ہے۔ کی واقعی حیرت انگیز ہے۔ وہ دنیا کی سب سے زیادہ خوب صورت چیز ہے۔ مجھے اس کو دیکھ کر اپنی بڑی پجارن کا خیال آتا ہے مگر کی اس سے بھی زیادہ عقل منداور رحم دل ہے۔“ پرنس نے سر سے اپنا تاج اتار کر تخت کے ایک کونے پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔ پھر اس نے اپنی گدی تیزی سے کھجانی شروع کر دی۔ مہائس جو اس کے پیچھے تھا، اپنے پوپلے دانتوں کے بیچ سے مسکرایا۔

کی کا خیال ہے کہ اس کا پیار شفا دینے کی طاقت رکھتا ہے۔“ ”مجھے اس سے اتفاق ہے۔ میری بہن اٹلیا کو بھی وہ ایک مرتبہ اچھا کر چکی ہے اور ہمیں اس کو لے کر ندر مندر نہیں جانا پڑا۔“

اگر وہ مستقبل کے بچوں کو بھی یہ سبق پڑھائے تو ان کے خیالات میں بڑی تبدیلی آ سکتی ہے۔“

”اگر کچھ سائنس داں اس بات کو پا گئے ہیں کہ ڈولفنوں کے پاس شفا دینے کی قوت ہے، تو وہ دن بھی دور نہیں۔“ پرنس

نے جواب دیا۔

''میرے پاپا نے ٹھیک ہی کیا جو مجھے ادھر بھیج دیا۔ یہاں میں نے بہت سی باتیں سیکھی ہیں۔''

''تم نے تو ابھی سمندر کو جاننا صرف شروع کر یا ہے۔ یہاں ابھی بہت سے عجائبات ہیں جن کو تم نہیں دیکھ سکتے۔ جیسے جَل پری، بھوت جہاز اور جادوئی جزیرے۔''

''لیکن میں کیوں ان کو نہیں دیکھ سکتا؟''

''اس لیے کہ تمھاری تیسری آنکھ ابھی بند ہے میرے بیٹے۔'' مہائس نے جواب دیا۔ پرنس اس پر ہنس پڑا۔ ''یہ بات انوکھی ضرور ہے مگر سچ ہے۔ ایک مرتبہ تمھاری تیسری آنکھ کھل گئی تو تم یہاں کی ہر چیز دیکھ لوگے۔

آدمی کے آنکھ اور کان، حقیقت کا صرف ایک بہت چھوٹا سا حصہ محسوس کر سکتے ہیں۔ کتے کو دیکھو، اس کے سننے کی طاقت انسان سے کہیں زیادہ ہوتی ہے اور بلی گھور اندھیرے میں بھی دیکھ سکتی ہے۔ ہماری بڑی پجارن تمھاری تیسری آنکھ کھول سکتی ہے۔ اگر تم ایسا چاہتے ہو۔''

''کیا اس سے مجھے تکلیف پہنچے گی؟'' نہیں! یہ کوئی سرجری یا آپریشن نہیں ہے۔'' پھر تو میں بالکل تماشہ بن جاؤں گا۔

''سائیکلوپ دیوتا کی طرح میرے ماتھے پر بھی ایک آنکھ لگی ہوگی۔'' ادتیہ نے تھوڑا سا گھبرا کر کہا۔ ''تیسری آنکھ، تمھاری دونوں بھوؤں کے بیچ میں ہی ہوگی مگر یہ نظر نہیں آئے گی۔ صرف تمھارے اندر ایک نئی حس جاگ جائے گی۔ جب میں تمھاری عمر کا تھا تو مجھے بھی ایڈونچر کا بہت شوق تھا۔'' ''اور اب؟''

''میں نے وہ سب کچھ دیکھ لیا ہے جو میں دیکھنا چاہتا تھا۔''

''تم ایک بہادر شخص ہو پرنس! تم اتنے بڑے محل میں اکیلے، صرف اپنی بہن اور مہائس کے ساتھ رہتے ہو۔ کیا تم اپنے خود کے بچوں کو اپنے پاس نہیں دیکھنا چاہتے؟'' مجھے یہ اکیلا پن پسند ہے ادتیہ! میں نے اپنا یہ راستہ خود چنا ہے۔ ایک اچھے راجہ کی صرف ایک ہی منزل ہوتی ہے کہ اس کے لوگ خوش وخرم رہیں۔ اگر راجہ چاہے کہ اس کی انرجی اس کی رعایا اور اس کے پریوار میں بٹ جائے تو کوئی نہ کوئی اس سے ضرور نقصان میں رہے گا۔ راجہ کی ذمے داری بہت بڑی ہوتی ہے ادتیہ! کیونکہ اس میں صرف اس کے پریوار کی نہیں بلکہ پورے ملک کی خوشیاں شامل ہوتی ہیں۔ مجھے دیکھو! ایک جوان اور بے چین لڑکے کو، میں کیسا گمبھیر نظر آتا ہوں۔ چلو میں تم کو قربانی کے مندر میں لے چلتا ہوں۔ ایک مرتبہ تمھاری تیسری آنکھ کھل گئی تو تم میرے پانی کی گاڑی پر سوار ہو کر ہر طرح کے عجائبات دیکھ سکتے ہو۔''

قربانی کا مندر بہت بڑا اور عالی شان تھا۔ اس کا بڑا گنبد مضبوط اور خوبصورت کھمبوں پر ٹکا ہوا تھا۔ یہ تقریباً 200 فٹ اونچا تھا۔ ان لوگوں کے وہاں پہنچتے ہی مندر کے بڑے بڑے پَٹ اپنے آپ کھل گئے۔ نیلے کپڑوں میں ملبوس دو عورتیں، ان کو اندر لے گئیں۔ بڑی پجارن قربان گاہ کے سامنے کھڑی تھی۔ وہاں سرخ رنگ کی روشنی پھیلی ہوئی تھی جس سے ان دونوں عورتوں کے نیلے لباس بیگنی معلوم ہو رہے تھے۔ بڑی پجارن کے سر پر لپٹے کپڑوں سے اس کے دو چار بھورے بال باہر نکل آئے تھے جس سے اس کا بہت بڑا اور سخت چہرہ کچھ نرم

قدم رکھتے ہوئے دوبارہ اسی طرح کی آواز سنی۔ یہ آواز رک رک کر آرہی تھی۔ اس نے چوکنا ہوکر آس پاس نظر دوڑائی تو اس نے ایک عورت کو دیکھا۔ وہ چٹان کے پاس ایک غار میں چھپی تھی۔ اس کے ہاتھ اس کے پلاسٹک کے مصنوعی گھٹنوں سے لپٹے تھے اور اس کے سر اپنے سرخ بالوں سمیت اس کے گھٹنوں میں تھا۔ اس کے زرد لباس پر سفید موتیوں کی سی جھلک تھی۔ اس کے منہ سے پھر رونے کی سی آواز نکلی اور اس نے اپنے ہاتھ آہستہ سے اوپر کی طرف اٹھا لیے۔ ادتیہ نے اس کے گلے کی پھڑ پھڑاہٹ کو دیکھا۔ اس کی بڑی بڑی سبز آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔

''ایک مظلوم سائی بورگ!'' ادتیہ نے سوچا لیکن اس کے چہرے اور گلے کی کھال تو فطری ہے۔ اس نے ادتیہ کو دیکھ لیا اور اس کے منہ سے ''وہ'' کی آواز نکلی ''میں نے تمھاری رونے کی آواز سنی تھی۔'' ادتیہ نے پاس کے چھوٹے سے غار میں پہنچ کر کہا۔

سورج کہرے کے پیچھے سے نمودار ہوگیا۔ ''تم میرے لیے سورج کی روشنی لے کر آئے ہو۔'' اس نے اپنے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے کہا۔

''بے شک یہ ایک اچھا شگون ہے۔'' ''لیکن تم رو کیوں رہی تھی؟'' اس لیے کہ میں سورج کی گرمی اپنی جلد پر نہیں محسوس کر سکتی۔ اپنے پیروں کے نیچے ریت کا بھی مجھے احساس نہیں ہوتا۔ میں اصلی انسان نہیں ہوں۔ میں ایک سائی بورگ ہوں۔'' ''لیکن تم نے لمبی عمر تک جینا چاہا تھا اور امراض سے نجات کی بھی خواہش کی تھی'' ادتیہ نے نرمی سے کہا۔

''میں نے خود اس کی خواہش نہیں کی تھی مگر میرے آدمیوں نے مجھے ایسا بنا دیا۔'' ''میں تم کو اپنی جلد پر سورج کی گرمی محسوس کرنا سکھا دوں گا۔'' ڈولفنیں اپنے جسم پر سورج کی گرمی اس وقت بھی محسوس کر سکتی ہیں جب وہ سمندر کی سطح سے کئی فٹ نیچے ہوتی ہیں۔ وہ اس کو اپنی جلد (کھال کا سپنا) کہتی ہیں۔ ''اچھا یہ تو بڑی دل چسپ بات ہے مجھے اس کے بارے میں کچھ اور بتاؤ'' ''میں زیادہ تو نہیں جانتا لیکن مجھے جتنا معلوم ہے وہ میں تمھیں سکھا دوں گا۔ اس میں سب سے زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ تم کو اپنی حِس زندہ رکھنا ہے اور اس کے بارے میں بیدار رہنا ہے۔''

''میرے پاس ایک خفیہ باغ ہے۔ ہم لوگ وہاں سورج کی روشنی میں پھولوں کے درمیان بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں۔ اس شہر میں صرف یہی ایک باغ ہے جو میرا ہے لیکن تم بتا نہیں سکتے ہو کہ یہ باغ کہاں پر ہے۔ تم اس کو یہیں سے دیکھ سکتے ہو مگر تمھیں بہت زیادہ غور اور توجہ سے دیکھنا پڑے گا۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس راستے پر چلنے لگی جو اونچے ٹیلے کی طرف جاتا تھا۔ ''بہت دل چسپ'' ادتیہ نے کہا ''تمھارے پاس ایک خفیہ باغ ہے اور یہاں کسی دوسرے کے پاس کوئی باغ نہیں ہے۔ ہمارے پاس کلکتہ میں ایک بڑا خوب صورت باغ ہے جس کے تالاب کا پانی للّی کے پھولوں سے ڈھکا رہتا ہے۔''

''کیا وہاں بہت سے درخت اور پھول بھی ہیں؟'' اس نے ایک چٹان کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ اس کا آدھا جسم گھاس میں چھپ گیا تھا۔ ''ہاں! مجھے چمپا کے پھول بہت پسند ہیں۔ اس میں ایک انوکھی مہک ہوتی ہے جس سے رات کے وقت پورا گھر مہک جاتا ہے۔ اس کو رات کی رانی بھی کہتے ہیں۔ اس کا رنگ سفید ہوتا ہے اور یہ اندھیرے میں کھلتے ہیں۔''

تم میرے باغ کے بالکل پاس کھڑے ہو۔ کیا تم اندازہ کر سکتے ہو کہ یہ کہاں ہے!'' عورت نے پوچھا ادتیہ نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا ''نہیں''! ''میں بتاتی ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے بڑی بڑی گھاس کا ایک کونا الٹ دیا۔ ''یہ ہے۔''

ادتیہ کو چٹانوں کے اندر ایک پتلا راستہ نظر آیا۔ ''میں تو کبھی اس کا پتہ نہ لگا سکتا۔'' ''مجھے یقین ہے کہ اگر کوئی پورا آدمی اس سوراخ کو دیکھتا تو بھی وہ باغ کا پتہ نہیں لگا سکتا تھا۔ اس کا پتہ صرف میرے والد کو ہے لیکن وہ بھی اب پہلے کی طرح نہیں رہے۔ وہ مجھے ساتھ لے کر درختوں پر چڑھ جایا کرتے تھے اور ہم اکثر وہاں سے سورج ڈوبنے کا نظارہ دیکھا کرتے تھے۔ وہ کبھی کبھی بانسری بھی بجاتے تھے۔ انھوں نے اس کی دھنیں خود بنائی تھیں۔ وہ کہتے تھے کہ یہ پریوں کی دھن ہے جسے میں نے اپنے بچپن میں اس وقت سنا تھا جب میں ایک پہاڑ کے نچلے حصے میں سو رہا تھا۔ یہ نغمہ مجھے اتنا پسند تھا کہ میں محو ہو کر اس کو سنا کرتی تھی اور یہ بھی بھول جاتی تھی کہ میں مصنوعی عورت ہوں۔ کاش میں اس کو دوبارہ سن سکتی۔''

''تمھارے پاپا کس طرح کے ہیں؟'' ''وہ ایک سائنس داں ہیں۔ وہ گھنٹوں کسی پھول کو غور سے دیکھتے رہتے ہیں۔ اگرچہ وہ کافی سن رسیدہ ہیں لیکن ان کا برتاؤ بالکل بچوں جیسا ہے۔'' ''چلو اندر چلتے ہیں!'' چٹان کا تنگ دروازہ کھولتے ہوئے عورت نے کہا۔ ادتیہ نے جو پہلی چیز دیکھی وہ پھولوں سے ڈھکی دیوار تھی۔ ''میں نے خود ان پودوں کو اگایا

ہے۔'' اس نے اپنی پلاسٹک کی انگلیوں سے ایک پتی کو چھونا چاہا مگر پھر اداسی سے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا۔ ''میں نے پہلے کبھی ایسی دیواریں یا ایسا باغ نہیں دیکھا تھا۔ باغ کے اندر طرح طرح کے پھولوں سے ڈھکے ہوئے زمین کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تھے گویا وہ پھولوں کے بستر ہیں۔''

''یہ کون سا درخت ہے؟'' ادتیہ نے گلاب کی خوشبو سونگھتے ہوئے پوچھا ''یہ بیچ ہے۔ مجھے اس کی سڈول شاخیں اور روپہلی چھال بے حد پسند ہے۔ ایک لال مینا روز آکر یہاں گانا گاتی ہے۔'' عورت نے درخت کے نیچے بیٹھتے ہوئے کہا ادتیہ بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گیا اور پوچھا ''لیکن یہ تو بتاؤ کہ تمھارا نام کیا ہے؟ میرا نام ادتیہ ہے۔'' ''اونا'' عورت نے جواب دیا ''اونا! تم سورج کی طرف دیکھو اور یہ سوچو کہ تم اس کی گرمی اپنے چہرے اور گلے پر محسوس کر رہی ہو''

اس نے اپنا چہرہ اوپر کر کے آنکھیں بند کر لیں اور سوچنے لگی کہ سورج کی گرمی اس کی جلد پر اپنا اثر ڈال رہی ہے۔

''اچھا اب دھیرے دھیرے آنکھیں کھولو اور ایک پھول توڑ کر آہستہ آہستہ اس کو اپنے چہرے پر مارو۔'' اس نے ایک گلاب کو توڑ کر اس کی پنکھڑیوں کو اپنے چہرے سے مَس کرنا شروع کیا تو اسے اپنے تناؤ کے کم ہونے کا احساس ہوا۔

''اونا! ہر چیز کو بھول کر تم صرف یہ سوچو کہ تمھاری جلد کیا محسوس کر رہی ہے۔ اس نے کچھ دیر کے لیے پھر آنکھیں موند لیں اور اس کا چہرہ پھولوں میں ڈوب گیا۔ ''تم واقعی ایک انوکھے ٹیچر ہو۔'' اونا منمنائی۔ لال مینا کے گانے نے وقت کا سکوت توڑ دیا تھا۔

''وہ دیکھو لال مینا آگئی۔'' اونا نے ایک چھوٹی سی چڑیا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، جس کے سینے پر لال رنگ کے گل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ ''میرا خیال ہے کہ وہ اس درخت میں اپنا گھونسلہ بنانا چاہتی ہے۔ دیکھو نا، وہ گھاس پھوس کے ٹکڑے اپنی چونچ میں دبائے ہوئے ہے۔'' ادتیہ نے کہا ''اگر واقعی ایسا ہے تو یہ بہت اچھا ہوگا۔ مجھے یہ دیکھنے میں بڑا مزہ آئے گا کہ کب انڈوں سے بچے نکلتے ہیں اور پھر کچھ دنوں کے بعد وہ کس طرح اڑنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ میرے پاس بھی سمندر کے اندر پہاڑ کے ایک چھوٹے سے غار میں رہنے کی تھوڑی سی جگہ ہے لیکن یہ خفیہ بالکل نہیں ہے۔ وہاں بہت سی رنگ دار مچھلیاں ہیں اور خزانے کا ایک صندوق بھی ہے جو میں نے اور میری دوست کی نے ایک ڈوبے ہوئے جہاز سے نکالا تھا۔'' ''میں بھی اس خزانے کو دیکھنا چاہوں گی۔'' مجھے یہ چھوٹی سی تلوار بھی اسی صندوق میں ملی تھی۔'' اپنی کمر میں بندھی تلوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ادتیہ نے بتایا۔ لیکن وہ سمندری پہاڑ یہاں سے بہت دور ہے۔'' اچانک ان پانیوں میں اسے انکی کا خیال آگیا۔ وہ اب وہاں واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ میں وہاں تمھیں مونگے سے بنا ہوا ایک کھوہ دکھا سکتا ہوں۔ یہ پانی کے اندر مونگے کے ایک ٹاور پر رکا ہوا ہے۔'' ''کیا یہ کوئی قلعہ ہے؟'' اونا نے خوشی سے چلا کر کہا۔

جاری

■

ماخذ: اُدتیہ-سمندری لڑکا، مصنف: انیتا سرن، مصور: سُبیر رائے، مترجم: نامی انصاری، ناشران:
(1) چلڈرن بک ٹرسٹ
(2) قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی
(3) بچوں کا ادبی ٹرسٹ

دل کی باتیں

* دوست سب ہوتے ہیں لیکن کچھ ایسے بھی دوست ہوتے ہیں جو جان سے بھی زیادہ پیارے ہوتے ہیں۔
* جو دکھ دے اسے چھوڑ دو مگر جسے چھوڑ دو اسے دکھ نہ دو۔
* کامیابی کا نشہ کبھی دماغ پر چڑھنے مت دیجیے اور ناکامی کا معاملہ کبھی دل پر مت لیجیے۔
* زندگی جینے کے دو ہی راستے ہوتے ہیں بھول جاؤ انھیں جن کو معاف نہیں کر سکتے، معاف کر دو انھیں جن کو بھلا نہیں سکتے۔
* ہزاروں غلطیوں کے باوجود آپ اپنے آپ سے پیار کرتے ہیں تو پھر کسی کی ایک غلطی کی وجہ سے اس سے نفرت کیوں کرنے لگتے ہیں۔
* اچھے کے ساتھ اچھے رہو لیکن برے کے لیے برے مت بنو کیونکہ تم پانی سے خون صاف کر سکتے ہو مگر خون سے پانی نہیں۔
* پانی بنو جو اپنا راستہ خود بناتا ہے، پتھر نہ بنو جو دوسروں کا راستہ روک لیتا ہے۔
* اچھے وقت سے زیادہ اچھا دوست عزیز رکھو کیونکہ اچھے دوست برے وقت کو بھی اچھا بنا دیتے ہیں۔
* ماں باپ ہمیں شہزادوں کی طرح پالتے ہیں اس لیے ہمارا فرض ہے کہ بڑھاپے میں ہم بھی انھیں بادشاہوں کی طرح رکھیں۔
* جھوٹ کا بھی ایک ذائقہ ہوتا ہے۔ خود بولو تو میٹھا لگتا ہے اور کوئی دوسرا بولے تو کڑوا لگتا ہے۔
* سچا دوست وہ ہے جو آپ کی طرف اس وقت آئے جب ساری دنیا آپ کا ساتھ چھوڑ چکی ہو۔
* بھروسہ ایسا تحفہ ہے جو دولت دیکھ کر نہیں بلکہ قابلیت دیکھ کر دیا جاتا ہے۔
* کسی کو دھوکہ مت دو کیونکہ دھوکہ جس سے شروع ہوتا ہے اسی پر ختم ہوتا ہے۔
* خوبصورت ہونا اہم نہیں ہے بلکہ اہم ہونا خوبصورت ہے۔
* زندگی کی کتاب میں اتنی غلطیاں مت کرو کہ پنسل سے پہلے ربر ختم ہو جائے اور توبہ سے پہلے زندگی۔
* حالات انسان کو نہیں انسان حالات کو سنوارتے ہیں۔
* جو بہت اچھا لگے اس سے بہت کم ملا کرو۔
* جو انتہا سے زیادہ اچھا لگے اسے صرف دیکھا کرو۔
* اور جو دل میں سما جائے اسے صرف یاد کیا کرو کیونکہ جو جس کے جتنا قریب ہوتا ہے دنیا اسے اتنا ہی دور کر دیتی ہے۔
* دوستی کرنا ہے تو ہم سے کرو جو زندگی میں ہی نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی کندھوں پر اٹھاتے ہیں۔
* سچا دوست وہ ہوتا ہے جو ہمیں کبھی بھی نہیں گرنے دیتا نہ ہی کسی کی نظروں میں نہ ہی کسی کے قدموں میں۔

■

مرسلہ: الفیہ شیخ انیس عظمیٰ سکندر خان، درجہ نہم، نور اردو ہائی، اسکول، دھولیہ، مہاراشٹر

وعدہ خلافی کا ایک مشہور واقعہ

آؤ بچو!!! میں تمھیں بہت ہی دلچسپ واقعہ سناؤں...

جزیرہ عرب میں ایک کہاوت بہت ہی مشہور تھی عرب جب بھی وعدہ خلافی کو بیان کرتے تو عرقوب کی مثال دیتے، اصل میں عرقوب قوم عمالقہ کا ایک شخص تھا اور اس کو عرب نے ضرب المثل (مثال میں بیان کرنا) اس لیے بنایا تھا کہ ایک دن عرقوب کے پاس اس کا بھائی چند کھجور لینے آیا تو عرقوب نے اپنے بھائی سے کہا کہ ابھی تو نہیں ہے میرے پاس لیکن جب کھجور کے درخت میں خوشہ نکل آئے تو خوشہ میں تمھیں دے دوں گا پھر جب خوشہ نکل آیا تو وعدہ کے مطابق اس کا بھائی دوبارہ آگیا۔ تو عرقوب نے بہانا بنایا اور کہا کہ بھائی ذرا اس کو پکنے دو پھر میں اسے ضرور دے دوں گا پھر جب وہ پک بھی گیا تو کہا ذرا ٹھہرو اس کو رطب (بہت اچھی طرح پک جانا) ہونے دو، پھر ''واللہ'' میں تمھیں اس میں سے دے دوں گا پھر چند روز گزر گیا تو اس کا بھائی اس کے پاس آیا تو عرقوب نے ان پھلوں کو توڑ لیا اور آخر کار اپنے بھائی کو کچھ بھی نہیں دیا، تب سے ہی عرب میں یہ کہاوت مشہور ہوگی...

دوستو! ہمیں اس سے یہ سبق ملا کہ کبھی بھی غلط چیزوں میں مشہور نہیں ہونا چاہیے اور وعدہ خلافی سے بھی بچنا چاہیے۔

■

مرسلہ: محمد عماد حسن بن امتیاز، شاہین باغ اوکھلا نیو دہلی

ننھی بچی کی دریا دلی

شہر سے دور نہر کے کنارے ایک چھوٹی سی بستی آباد تھی، جس بستی میں ایک گھر تھا، اس گھر میں ایک بچی اپنے ماں باپ کے ساتھ خوشی خوشی رہتی تھی، اڑوس پڑوس کے لوگ اسے پیار سے گڑیا پکارا کرتے تھے، گڑیا کے ابو صبح سویرے گھر سے کچھ دور کھیتی کرنے جایا کرتے تھے۔

ایک دن کی بات ہے صبح صبح گاؤں میں ایک کھلونہ بیچنے والا زور زور سے آواز لگا کر کہ رہا تھا ''کھلونہ لے لو کھلونہ لے لو'' گڑیا اس وقت اپنی امی کے ساتھ لکڑی چولہا کے پاس بیٹھی راجہ رانی کی کہانی بڑے غور سے سن رہی تھی، کھلونہ والے کی آواز سن کر اس نے اپنی امی سے کہا: امی امی! مجھے کھلونہ چاہیے اور رو رو کر ضد کرنے لگی، اتفاق سے امی کے پاس پیسے نہیں تھے اور ابو کھیت جا چکے تھے، اس لیے امی نے اپنی گڑیا کو بہلا پھسلا کر سلا دیا۔

اچانک اسی دن گڑیا کے ماموں جان شہر سے اپنی پیاری سی گڑیا کے لیے ڈھیر سارے کھلونے، ٹوفیاں اور مٹھائیاں لے کر آئے، گڑیا یہ سب دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھی، اچانک اسے دروازہ کے باہر ایک بچہ کے رونے کی آواز سنائی دی، گڑیا اس کے پاس دوڑ کر گئی اور اپنے سارے کھلونے، ٹوفیاں اور مٹھائیاں اس بچہ کو دے کر خود اسے بھی خوش کر دیا اور خود بھی خوش ہوگئی۔

بچو! ہمیں اس کہانی سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہم سب کو دوسروں کی خوشی کی خاطر اپنی خوشی قربان کر کے دوسروں کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھنا چاہیے۔

■

مرسلہ: حسان احمد ازہری (حسینہ آباد، کڈرو) رانچی، جھارکھنڈ

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھ لیں کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

یہ مزے مزے کی حکایتیں

مریض: ''میں ہر بات بھول جاتا ہوں۔''
ڈاکٹر: تب پھر پہلے میری فیس ادا کریں۔''
مریض: ''لیکن پہلے یہ تو بتایئے، آپ ہیں کون؟''

ایک عورت ریل گاڑی میں سفر کررہی تھی کہ اچانک بجلی چلی گئی اور اس کا دل گھبرانے لگا، اس نے زور زور سے زنجیر کھینچا شروع کی، جب بھی وہ زنجیر کھینچتی تو اسے تھپڑ پڑتا۔ جب بجلی آئی تو اس نے ساتھ بیٹھی عورت سے پوچھا ''جب میں زنجیر کھینچتی تو کون مجھے تھپڑ مارتا تھا' اس عورت نے کہا: ''تم زنجیر کھینچ رہی تھی یا میر چٹیا''

استاد: (شاگرد سے) ''آج آپ نے گھر کا کام کیوں نہیں کیا؟''
شاگرد: ''جناب میں گھر پر نہیں ہاسٹل میں رہتا ہوں۔''

بوڑھا مریض: ''ڈاکٹر صاحب میری داہنی ٹانگ میں درد ہے۔''
ڈاکٹر: ''یہ تو بڑھاپے کی وجہ سے ہے''۔
مریض: ''مگر ڈاکٹر صاحب میری دوسری ٹانگ بھی تو اسی عمر کی ہے۔''

ڈاکٹر مریض سے ''تمھاری نبض تو گھڑی کی طرح باقاعدہ چل رہی ہے''۔
مریض ''جناب آپ کی انگلیاں میری گھڑی پر ہی تو ہیں۔''

مشہور سائنس دان آئن اسٹائن کا کہنا ہے کہ ایک روز میں نے اپنے پانچ سالہ بچے سے پوچھا ''جب پانی اُبلتا ہے تو اس میں آواز کیوں نکلتی ہے؟
بچہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا ''یہ ان جراثیموں کی چیخیں ہوتی ہیں جو پانی ابلنے سے مرجاتے ہیں۔''

استاد: دہلی میں قطب مینار ہے۔ ایک لڑکا کلاس میں سو رہا تھا استاد نے اسے اٹھایا اور غصے سے پوچھا۔ بتاؤ میں نے ابھی کیا کہا ہے۔
شاگرد: دہلی میں کتا بیمار ہے۔

ایک بچہ اسکول لیٹ پہنچا تو استاد نے غصے سے کہا: اسکول لیٹ کیوں آئے ہو؟
شاگرد: جناب راستے میں کیچڑ بہت تھا۔ میں ایک قدم اسکول کی طرف چلتا تو دو قدم گھر کی طرف ہو جاتا۔
استاد: تو پھر تم اسکول کیسے پہنچے؟
شاگرد: جناب، میں پھر گھر کی طرف چلنے لگا

ایک شکاری بہت بوڑھا ہوگیا، یہاں تک کہ اس کی نظر بہت کمزور ہوگئی، لیکن شکار کا شوق جوں کا توں رہا، ایک دن وہ شکار کے لیے اپنے ایک دوست کو جنگل میں لے گیا، ایک گولی اس نے تاک کر چلائی پھر اپنے دوست سے پوچھا۔
میں نے جس جانور پر گولی چلائی ہے اسے کیا کہتے ہیں؟
دوست بولا: اس جانور کو درخت کہتے ہیں۔

آرٹسٹ نے گاہک سے کہا۔
اس تصویر کے سلسلے میں میرے پانچ سال گزر گئے۔
گاہک: کیا اس قدر محنت کرنی پڑی آپ کو۔
آرٹسٹ: جی نہیں تصویر تو ایک ہفتے میں مکمل ہوگئی تھی مگر گاہک پانچ سال بعد ملا۔

■

مرسلہ: البینہ بانو ابرار احمد، پلاٹ نمبر 91، نزد بندے نواز مسجد ملت نگر، دھولیہ، مہاراشٹر

جویریہ فردوس اشفاق احمد

سیکھ

پرانے زمانے کی بات ہے، جب کوئی غلطی کرتا تھا تو بجائے سزا کے اسے سیکھ دی جاتی تھی۔ یہ ایک شہر کی دو لڑکیوں کی کہانی ہے۔ ایک کا نام نغمہ تھا اور دوسری کا مہوش۔ نغمہ بہت ہی سمجھدار اور نیک لڑکی تھی، مہوش بہت ہی مطلبی اور مغرور۔ ایک دن کی بات ہے، جب بادشاہ سلامت کی طرف سے منادی نے اعلان کیا کہ شہزادی 'نایاب' کی شادی کے لیے جو بھی خوبصورت پوشاک بنائے گا، اسے ایک ہزار اشرفیاں انعام دی جائیں گی۔ شہر میں جن لڑکیوں کو پوشاک تیار کرنے کا تجربہ تھا، وہ سب پوشاک تیار کرنے میں مگن ہوگئیں۔

ایک مرتبہ نغمہ کی غیر موجودگی میں مہوش اس کے گھر اس کی بنائی ہوئی پوشاک دیکھنے کے لیے آئی۔ اسے نغمہ کی بنائی ہوئی پوشاک اپنی پوشاک کے مقابلے میں بہت ہی خوبصورت محسوس ہوئی۔ مہوش چاہتی تھی کہ سب سے خوبصورت پوشاک صرف اسی کی دکھائی دے۔ اسی سبب وہ نغمہ کے گھر سے اس کی تیار کی ہوئی پوشاک لے کر چلی گئی۔ نغمہ ہر جگہ اپنی تیار کی ہوئی پوشاک تلاش کرتی رہی، اسے کہیں نظر نہیں آئی۔ دوسرے دن نغمہ، مہوش کے گھر آئی۔ مہوش نے اسے وہ پوشاک دکھائی، جو نغمہ نے تیار کی تھی۔ نغمہ حیران ہوکر کہنے لگی "یہ پوشاک کہاں سے ملی؟ مہوش طیش میں آکر کہنے لگی "یہ پوشاک تو میری ہی تیار کی ہوئی ہے؟" "مجھے کہاں سے ملی ہے مطلب؟" نغمہ، مہوش کے سلوک سے واقف تھی۔ دوسرے دن نغمہ نے بادشاہ سلامت کو یہ بات سنائی۔

بادشاہ سلامت کے ذہن میں ایک ترکیب سوجھی۔ بادشاہ سلامت نے کہا، "مہوش کو سزا تو نہیں دیں گے، لیکن ہم اسے ایسی سیکھ دیں گے کہ وہ عمر بھر نہیں بھولے گی۔" پوشاک تیار کرنے کے لیے دس دن دیے گئے تھے وہ مکمل ہوگئے۔ سبھی شہر کی لڑکیاں اپنی اپنی تیار کی ہوئی پوشاک لے کر محل آئیں۔ بادشاہ سلامت نے ہر کسی کی تیار کردہ پوشاک پر نظر ڈالی۔ سب سے زیادہ خوبصورت پوشاک مہوش کی نظر آئی، جو دراصل نغمہ نے تیار کی تھی۔

بادشاہ سلامت کی جانب سے پھر اعلان کردیا گیا کہ "مہوش کی تیار کی گئی پوشاک سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔" مہوش نے بڑی خوشی کے ساتھ بادشاہ سلامت کا شکریہ ادا کیا۔ بادشاہ سلامت نے مہوش سے کہا کہ "ہمیں پوشاک کا یہ حصہ بہت ہی خوبصورت دکھائی دے رہا ہے۔ دوبارہ بنا کر بتاؤ۔" بادشاہ سلامت نے پھر درباریوں کو، سونے کے تار اور لازمی اشیا لے آنے کا حکم دیا کہ مہوش بنا کر بتائے۔ یہ پوشاک مہوش نے تیار کیا ہی نہیں تھا۔ اس نے اپنا جرم قبول کرلیا۔ معافی مانگی اور کہا "میں چوری ضرور کرسکتی ہوں لیکن کسی کا ہنر نہیں چرا سکتی۔" اس نے بادشاہ سلامت کو بڑی شرمندگی سے کہا "آج آپ نے مجھے ایسی سیکھ دی ہے، جسے میں عمر بھر نہیں بھولوں گی۔"

■

Juveriya Firdos Ashfaque Ahmad
Class:IX, Anjuman High School &
Jr College, Balapur,
Distt: Akola (Maharashtra)

کسی کی بدصورتی نفرت کی وجہ نہ بنے

کہتے ہیں ایک بادشاہ کے کئی بیٹے تھے۔ ان میں ایک کوتاہ (کم، چھوٹا) قد اور معمولی شکل وصورت کا تھا۔ بادشاہ اپنے تمام شہزادوں کو چاہتا تھا مگر کم قد والے کو پسند نہیں کرتا تھا۔ کوتاہ قد شہزادہ اس بات کو محسوس کرتا تھا۔ بادشاہ سے کئی مرتبہ شہزادے نے اس بات کا ذکر بھی کیا۔ انسان کی شکل وصورت کی وجہ سے اس کو حقیر سمجھنا مناسب نہیں ہے۔ اللہ نے ہم انسان کو الگ الگ صلاحیتیں دی ہیں۔ انسان کی صلاحیت کو پہچانا ضروری ہے۔ انسانی صلاحیت ہی اصلی جوہر ہے اور اصلی جوہر کی قدر ہونی چاہیے۔

شہزادے کی بات بادشاہ نے سنی ان سنی کردی۔ وقت گزرتا گیا خدا کا کرنا یوں ہوا کہ پڑوسی ملک کے ایک بادشاہ نے ان کے ملک پر حملہ کردیا۔ دشمن کی فوج زیادہ تھی، عیش و عشرت کی زندگی گزارنے والے حسین وجمیل شہزادے میدان جنگ سے جان بچا کر بھاگ نکلے۔ جان کی بازی لگانا بہادروں کا کام ہوتا ہے۔ کوتاہ قد شہزادہ بہادر تھا۔ اس نے فوج کو اکٹھا کیا، تقریروں سے ان کا حوصلہ بڑھایا، میدانِ جنگ میں فوج کے ساتھ خود بھی دشمن سے لڑتا رہا۔ یہاں تک کہ دشمن کی فوج میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوگئی۔ آخر کار فتح نصیب ہوئی۔

بادشاہ کی آنکھیں کھلیں، بادشاہ کوتاہ قد بیٹے کی بہادری پر بہت خوش ہوا، اس نے اعلان کیا کہ میرا یہی بیٹا میرے بعد بادشاہ بنے گا اور میرے تخت وتاج کا وارث ہوگا۔ انسان کا اصلی جوہر اس کی صلاحیتیں ہیں۔ کسی کی بدصورتی نفرت کی وجہ نہ بنے۔

■

مرسلہ: فرحہ ناز نور احمد، درجہ ششم، گورنمنٹ اردو اسکول
بیل ہونگل، کرناٹک

ننھے فنکار

سید محتسب خضر قادری، درجہ پنجم
برھانی نیشنل اردو پرائمری اسکول، اورنگ آباد، مہاراشٹر

محمد زید محمد انیس، درجہ پنجم، پیراڈائز کالونی، امراوتی، مہاراشٹر

سعدیہ سروت محمد انیس، درجہ دہم، پیراڈائز کالونی، امراوتی، مہاراشٹر

محمد حازم، درجہ سوم، انوارالعلوم انوک، اعظم گڑھ، یوپی

عمرہ فاطمہ، درجہ ہفتم، ٹانڈہ امبیڈکر نگر، یوپی

جویریہ تنویر احمد شیخ، درجہ چہارم، ملت پرائمری اسکول، مہرون، جلگاؤں، مہاراشٹر

میہ ہانی شیخ کلیم، درجہ ہفتم، ضلع پریشد، لڑکیوں کا اسکول، جامنیر، ضلع جلگاؤں، مہاراشٹر

مریم آشا محمد عمران، منگرول پیر

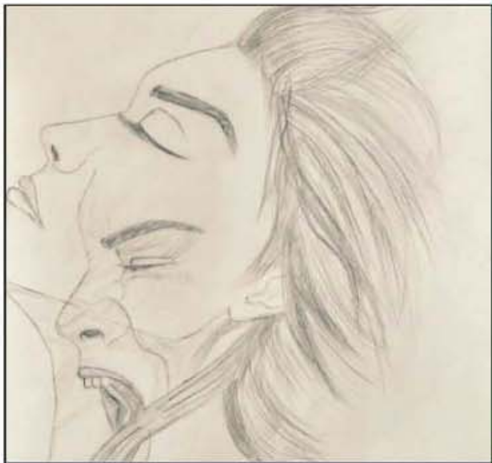

شاہینہ صدیقی شیدا بھگونوی، شاہ پور بگھونی، سمستی پور، بہار

مسکان فاطمہ توفیق احمد، درجہ ہفتم، محمد سالار گڑھ، التفات گنج، ضلع امبیڈکر نگر، اتر پردیش

زویا ارم آصف خان پٹھان، درجہ ششم
انجمن ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج جامنیر، ضلع جلگاؤں، مہاراشٹر

عرشِ اعظم سرفراز احمد، درجہ ہفتم، محمد چمن گنج، پوسٹ: التفات گنج، ضلع امبیڈکر نگر، اتر پردیش

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

لفظ (کچھ نظمیں اور غزلیں)

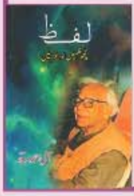

مصنف: آل احمد سرور

دوسری طباعت: 2019

صفحات: 95

قیمت: 70 روپے

عام لسانیات

مصنف: پروفیسر گیان چند جین

تیسری طباعت: 2019

صفحات: 910

قیمت: 395 روپے

کہکشاں (اقبال کے بعد نظمیہ شاعری)

مصنف: وارث علوی

پہلی اشاعت: 2019

صفحات: 527

قیمت: 240 روپے

صحت الفاظ

مصنف: سید بدرالحسن

ساتویں طباعت: 2019

صفحات: 253

قیمت: 90 روپے

مثنوی مولانا روم (جلد اوّل، دوم، سوم، چہارم، پنجم، ششم)

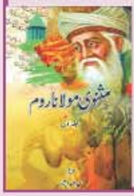

مترجم: سید احمد ایثار

پہلی اشاعت: 2019

صفحات: 223 (جلد اوّل)، 191 (دوم)، 251 (سوم)، 200 (چہارم) 238 (پنجم)، 256 (ششم)

قیمت: 780 روپے (فی سیٹ)

مولانا ابوالکلام آزاد: ایک مطالعہ

مرتب: پروفیسر عبدالستار دلوی

دوسری طباعت: 2019

صفحات: 474

قیمت: 215 روپے

کہانی رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی

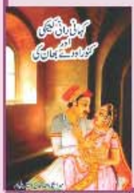

مصنف: میر انشاء اللہ خاں انشا دہلوی

پہلی اشاعت: 2019

صفحات: 30

قیمت: 35 روپے

قطبی علاقے کیا ہیں؟

مصنف: ہایانون

اردو مترجم: انیس الحسن صدیقی

پہلی اشاعت: 2019

صفحات: 20

قیمت: 20 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, June 2020 Vol. 08, Issue: 06
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2019-21
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/05/2020
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

صفحات: 112، قیمت: 25 روپے

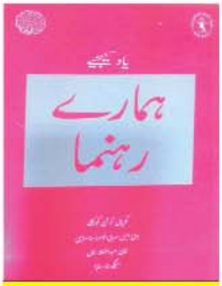

صفحات: 106، قیمت: 35 روپے

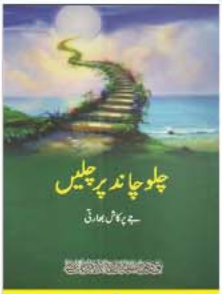

صفحات: 48، قیمت: [illegible] روپے

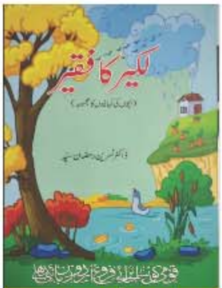

صفحات: 87، قیمت: 35 روپے

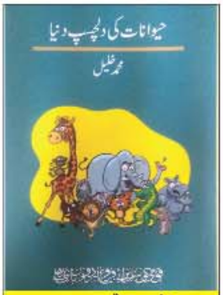

صفحات: 83، قیمت: 24 روپے

صفحات: 61، قیمت: 23 روپے

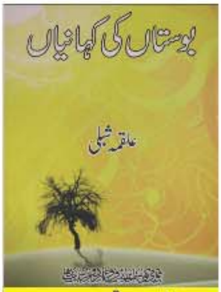

صفحات: 87، قیمت: 20 روپے

صفحات: 51، قیمت: 20 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی–110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.